جولائی 1998ء ربیع الاول 1419ھ

اللہ

ماہنامہ گوجرانوالہ

اصلاح انسانیت

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان
کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

قیمت ---------- /10 روپے
سالانہ فنڈ ---------- /100 روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی کاشانہ توحیدیہ نوکھر ضلع گوجرانوالہ: Ph: 268424

ایڈیٹر سے رابطہ کیلئے: عبدالقیوم ہاشمی تھانہ روڈ گکھڑ: Ph: 260734

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

اداریہ

مذاہب عالم کا حال یہ ہے کہ وہ تمام کے تمام صراط مستقیم سے انحراف کر چکے ہیں۔ اسی وجہ سے کچھ مذاہب نے صرف مادیت کا پرچار کیا اور کچھ نے رہبانیت کا۔ بالآخر تمام مذاہب کے پیروکاروں نے مادیت کو روحانیت پہ فوقیت دے دی بلکہ مادیت ہی کو مقصود زندگی تصور کر لیا ہے۔ دین اسلام مادیت کے خلاف ہرگز نہیں بلکہ یہ فقط مادیت کو روحانیت کے طابع کرنا چاہتا ہے۔ اب تو جدید سائنسی حقائق بھی اس بات کو تسلیم کر رہے ہیں کہ مادہ کے پس پردہ غیرمادی یعنی روحانی قوتیں برسرپیکار ہیں۔ آئن سٹائن کی تحقیقات نے تو مادیت پہ قائم تمام نظریات حیات کا مکمل خاتمہ ہی کر دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ روحانیت کا پرچار دراصل مادیت کو راہ اعتدال پہ لانے کے لئے ہوا کرتا ہے نہ کہ بالکلیہ خاتمہ کے لئے۔ قرآن کریم ہمیں روحانیت اور مادیت دونوں جانب متوجہ کرتا ہے یعنی انفس و آفاق میں تدبر کی ترغیب دیتا ہے جس سے انسانیت لمحوں میں دنیا و آخرت کی خوشیاں سمیٹ سکتی ہے۔ مسلمانوں کی زبوں حالی کا سبب اسی اعتدال سے روگردانی ہے لہٰذا اگر پھر سے اسلام کی بالادستی مطلوب ہے تو مسلمانوں کو پھر سے روحانیت کا پرچار کرنا ہوگا۔ تاریخ اسلام سے یہ بات ثابت ہے کہ جس جماعت نے یہ کام کیا بالآخر اسلام کی خدمت کرنے میں کامیاب ہوئی۔ بانی سلسلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی بنیاد اسی سوچ اور فکر پر رکھی ہے۔ آپؒ نے اس ضمن میں مومنوں کی جماعت کی تشکیل کی خاطر دن رات کام کیا تاکہ مسلمانوں کے دلوں میں عشق الٰہی اور حب رسول ﷺ کا وہ جذبہ پیدا ہو جائے کہ دنیا کی محبت اور شان و حشمت خود بخود ختم ہو جائے مومن کی پہچان یہی ہے بقول اقبالؒ

جچتے نہیں کنجشک و حمام اس کی نظر میں
جبریل و سرافیل کا صیاد ہے مومن

آپؒ نے اس تحریک کو اسی نہج پر چلانے کا عزم فرمایا جس طرح حضرت مجدد الف ثانیؒ نے کیا۔ آپ "چراغ راہ" کے آٹھویں خطبہ میں سلسلہ کی پالیسی ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:۔ "حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنے زمانہ میں معاشرہ کی اصلاح کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ پہلے خاموشی سے ایک جماعت اولیاء اللہ کی تیار کی اور پھر اس جماعت کے افراد کو امراء اور وزراء کے پاس بھیج کر انکی اصلاح کرائی جس کا فائدہ تاریخ کے صفحات سے آج بھی ثابت ہے۔ میں نے بھی وہی وطیرہ اختیار کیا۔ 1950ء سے اب تک بزرگوں کی ایک جماعت پیدا کرنے میں لگا رہا ہوں۔ اب

جب کہ ہماری جماعت میں اچھے بزرگوں اور اولیاء اللہ کی تعداد کافی ہو گئی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ہماری جماعت دیہات و امصار میں پھیل جائے اور دیہات کے لوگوں کی مذہبی ' اخلاقی اور روحانی اصلاح کا کام شروع کر دے۔ اس میں مشکل یہ درپیش ہے کہ ہمارے تمام بھائی کاروباری یا ملازمت پیشہ ہیں' اس وجہ سے باہر جا کر کام نہیں کر سکتے۔ یہ مجبوری ہے مگر باوجود اس کے ہم کو فوراً" یہ کام شروع کر دینا چاہیے۔ ہمیں چاہیے کہ کچھ دن کی چھٹیاں لے کر دیہات میں جائیں اور وہاں توحید و روحانیت کا نور پھیلائیں اس طرح جو کچھ تھوڑا بہت تجربہ ہم نے کیا ہے وہ بہت ہی حوصلہ افزا ہے۔ لوگ اس طرح گرتے ہیں جیسے شمع پر پروانے۔ دنیا ہماری منتظر ہے۔ شراب توحید و ولایت کے طالب ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں تشنہ کام اور مایوس بیٹھے ہیں۔

اس لئے اے میرے دوستو! اب آپ بلا تاخیر یہ کام شروع کر دیں۔ اس سے بہتر دنیا میں کوئی عبادت اور نیک کام نہیں۔ کیا عجب ہے کہ رب کریم نے یہ سعادت ہمارے حلقہ کی تقدیر میں لکھی ہو کہ ہم بھولے بھٹکوں کو اللہ کا سیدھا اور سچا راستہ دکھائیں۔ ان کو نہ صرف (صحیح العقیدہ) مسلمان بلکہ مومن اور ولی اللہ بنا دیں۔ اسطرح رفتہ رفتہ قرآن کریم کے بھلائے ہوئے سبق پھر یاد آ جائیں اور احیائے اسلام کا سہرا پاکستان کے سر رہے۔ امید بہت بڑی اور بضاعت بہت کم ہے "گو چھوٹا منہ اور بڑی بات ہے لیکن خلوص دل اور محنت سے کام کرنے والوں کو اللہ تبارک و تعالیٰ ضرور نوازتا اور فائز المرام فرماتا ہے"۔

اب یہ تمام برادران سلسلہ پہ ایک بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ شیخ سلسلہ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب کی ولولہ انگیز قیادت میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی خاطر نہ صرف اپنے سینوں کو عشق الہٰی سے مزین کریں بلکہ اور مسلمانوں تک بھی یہی تعلیم پہنچائیں تاکہ خلق خدا اور صاحبان اقتدار کی تربیت کا اہم کام سرانجام پا سکے۔ اگر ہماری جماعت خلوص دل سے اس کام کو کرے تو انشاء اللہ تائید الہٰی ہمارے شامل حال ہو گی۔ ضرورت صرف میدان بدر جیسی ہمت پیدا کرنے کی ہے فرشتوں کا نزول اب بھی ممکن ہے' بقول حالیؔ

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

والسلام عبدالقیوم ہاشمی

درس قرآن

ڈاکٹر عبدالرشید وقار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ (سورہ محمد)

ترجمہ:۔ جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور اللہ کے راستہ سے روکا۔ اللہ نے ان کے اعمال کو ضائع کردیا۔

تفسیر:۔ جس وقت یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اس وقت عرب کی سرزمین اور بالخصوص مکہ مکرمہ کے اندر مسلمانوں کو ہر طرح ستایا جارہا تھا۔ ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جارہے تھے۔ مسلمان ہر طرف سے ہجرت کرکے مدینہ شریف کی چھوٹی سی بستی کو دارالامان سمجھ کر جمع ہونا شروع ہو گئے تھے، لیکن یہ چھوٹی سی بستی بھی ہر طرح سے غیر محفوظ تھی۔ کفار چاروں طرف سے اسے نرغے میں لئے ہوئے تھے۔ اور اس کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔

مسلمانوں کے لئے دو راستے تھے، پہلا راستہ یہ تھا کہ وہ اسلام کو ترک کرکے جہالت کے آگے سرنگوں ہو جائیں۔ دوسرا راستہ یہ تھا کہ وہ اپنی مختصر سی جمعیت کے ساتھ باطل کے سامنے سر دھڑ کی بازی لگا دیں۔ تاکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس بات کا فیصلہ ہو جائے کہ سرزمین عرب میں اسلام کو زندہ رہنا ہے یا پھر برائی اور بت پرستی کو۔ حالات نہایت ناگفتہ بہ تھے۔ سارے مسلمان اپنا پیٹ کاٹ کر بھی جنگی سازو سامان فراہم نہ کرسکتے تھے۔ کیونکہ مہاجر مفلس اور بے خانماں تھے اور اہل کفر نے ان کے ساتھ معاشی مقاطعہ بھی کر رکھا تھا۔ رب العلمین نے مسلمانوں کی رہنمائی فرمائی ان کو جنگ کے لئے ہدایات دیں اور ساتھ ساتھ یہ فیصلہ بھی فرمادیا کہ کفار کے اعمال خواہ کتنے ہی خوشنما کیوں نہ ہوں ان کو ضائع کردیا جائے گا۔

دوسروں کو راہ خدا سے روکنے کی بہت سے صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ کسی کو زبردستی ایمان لانے سے روک دیا جائے دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جو لوگ برضاو رغبت ایمان کی نعمت

سے فیض یاب ہوں ان کو اس قدر پریشان کیا جائے کہ ان کا ایمان پر رہنا ناممکن بنادیا جائے۔ اللہ کے راستہ سے روکنے کی تیسری صورت یہ ہے کہ لوگوں کو اسلام سے بدگمان کیا جائے ان کے دلوں کے اندر وسوسے پیدا کئے جائیں۔ اور اپنی اولاد کو کفر کے طریقہ پر پروان چڑھایا جائے۔ اور اپنی اولاد کے دلوں میں کفر کو اس قدر پختہ کر دیا جائے کہ آئندہ ان کا ایمان لانا مشکل ہو جائے۔ جس انسان کی تربیت کفر کے طریقہ پر ہو وہ اپنے اجتماعی نظام حیات' تہذیب و تمدن اور ہٹ دھرمی سے دین حق کے پھیلنے میں کوہ گراں ثابت ہوتا ہے۔

رب العزت نے فرمادیا کہ جو لوگ دین مبین کے آگے سد راہ بن رہے ہیں۔ ان سے قبولیت کی توفیق کو سلب کر لیا گیا ہے' ان کی تمام کوششیں درست راستہ پر صرف نہیں ہو سکتیں۔ اب وہ جو کچھ بھی کریں گے ان کی تمام توانائیاں اور ساری جدوجہد گمراہی کے لئے صرف ہو نگی۔ کفار خواہ اپنی طرف سے کوئی کام خیر کا کام سمجھ کر ہی کریں۔ وہ عمل برباد سمجھا جائے گا۔ کفار خانہ کعبہ کی نگہبانی کا فریضہ انجام دیتے ہیں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ حاجیوں کی خدمت بجالاتے تھے۔ رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرتے تھے۔ مہمانوں کی خاطر تواضع میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے تھے۔

یہ سارے اعمال اگرچہ وہ مذہبی جوش و خروش سے انجام دیتے تھے اور ان کا شمار مکارم اخلاق میں ہوتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ضائع کر دیا۔ ان کو ان اعمال کا کوئی اجر و ثواب نہ ملے گا۔

کیونکہ وہ توحید کے انکاری ہیں اور دوسروں کو بھی اس راہ پر آنے سے روکتے ہیں' چونکہ ان کا یہ عمل محمد رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی ہدایت کے خلاف ہے لہٰذا بے ثمر ہے۔ اسی آیت مبارکہ کو سامنے رکھ کر مولانا محمد علی جوہرؒ نے تقسیم ہند کے وقت کہا تھا کہ ہمارا بدترین مسلمان بھی مہاتما گاندھی سے افضل ہے۔

درس حدیث

رانا محمد اعجاز

عن ابی ھریرہ رضی اللہ عنہ رجلا قال للنبی صلی اللہ علیہ وسلم اوصنی قال لا تغضب فردد مرار قال لا تغضب۔ (بخاری)

ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے کہا مجھے نصیحت فرمایئے آپ نے فرمایا کہ غصہ مت کیا کر تو اس نے کئی بار (اپنا سوال) دہرایا آپ ﷺ نے فرمایا غصہ نہ کیا کر۔

نبی کریم ﷺ نے حدیث مبارکہ میں غصہ کو نفی کرنے کی تلقین فرمائی ہے اور اسے بہترین عمل قرار دیا ہے۔ غصہ انسان کے فطری اور جبلی جذبات میں سے ایک جذبے کا نام ہے۔ دین اسلام نے غصہ کو بالکل ختم کرنے کی حمایت نہیں کی بلکہ اسے حق اور سچائی کے تابع کرنے کی تلقین فرمائی۔ احادیث کے علاوہ قرآن مجید کی متعدد آیات میں غصہ کو کنٹرول کرنے کی تلقین آئی ہے۔

ارشاہوتا ہے۔

"جو غصے کو پی جانے والے ہیں لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں اور اللہ احسان کرنے والے سے محبت کرتا ہے" (آل عمران 14)

"جب انہیں غصہ آتا ہے تو معاف کردیتے ہیں"

رسول کریم ﷺ کی عملی زندگی قرآنی فرمانوں کا عملی نمونہ تھی۔ آپ ﷺ پر کفار مکہ نے ظلم و ستم کی انتہا کردی مگر پھر بھی آپ ﷺ نے انہیں برا بھلا نہیں کہا بلکہ انہیں فتح مکہ کے دن معاف فرمادیا' نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو بھی غصے کو قابو میں رکھنے کی تلقین فرمائی جس کا عملی ثبوت حضرت علیؓ کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ ہے۔

جب آپؓ نے میدان جنگ میں ایک یہودی کو مغلوب کرکے قتل کا ارادہ کیا تو اس نے آپ کے منہ پر تھوک دیا آپ فوراً" اس کی چھاتی سے اٹھ کھڑے ہوئے اور ارادہ قتل ترک کردیا۔ یہودی نے حیران ہو کر وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ پہلے میں محض تجھے خدا تعالیٰ کے لئے قتل کرنا

چاہتا تھا۔ لیکن جب تو نے میرے منہ پر تھوک دیا تو مجھے برا لگا اگر اس حالت میں میں تجھے قتل کر دیتا تو یہ قتل خالص اللہ تعالیٰ کے واسطے نہ ہوتا بلکہ اس میں ذاتی انتقام کا جذبہ بھی شامل ہوتا۔

یہ واقعہ ثابت کرتا ہے کہ غصہ اگر خلاف شریعت ہو تو مذموم ہے اگر حق کی تائید اور تقویت کے لئے ہو تو مفید ہے۔

رسول کریم ﷺ نے بیشتر احادیث میں غصے کو نفی کرنے کی ہدایت کی آپ ﷺ نے فرمایا۔

"پہلوان وہ نہیں جو لوگوں کو بچھاڑ دے بلکہ پہلوان وہ ہے جو غصہ کی حالت میں اپنے آپ پر قابو رکھے"۔

"جو شخص قدرت رکھنے کے باوجود غصہ کو ضبط کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے سب کے سامنے بلا کر اعلیٰ درجے کا انعام عطا فرمائیں گے"

خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ فرماتے ہیں غصہ اور نفرت کو نفی کرنے سے قوت برداشت بڑھتی ہے جو دنیوی، دینی اور روحانی ترقی کے لئے ناگزیر اور اعلیٰ ترین کردار انسانی پیدا کرنے کے لئے ایک اہم ترین صفت ہے"

اگر ہم موجودہ دور پر طائرانہ نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ بے شمار معاشرتی، اخلاقی اور روحانی مسائل جن کا ہمیں سامنا ہے ان کی بنیادی وجہ غصہ اور نفرت ہی ہے۔

اخبارات کا مطالعہ کریں تو تمام اخبار تشدد کے واقعات سے بھرے ملیں گے کہ فلاں نے فلاں کو معمولی سی رنجش یا چند سکوں کی خاطر طیش میں آکر ہلاک کر دیا۔ اس طرح کے واقعات کا رونما ہونا ایک معمول بن چکا ہے۔ ان سب کی وجہ غصہ اور جذبات کا بے قابو ہونا ہے۔ انسان اور حیوان میں بنیادی فرق عقل کا ہے اور جب غصہ کرنے سے عقل ہی مغلوب ہو جائے تو کوئی فرق باقی نہیں رہتا غصہ کرنے سے کچھ حاصل تو ہوتا نہیں البتہ دل اور دماغ کافی عرصہ پریشان رہتے ہیں۔

جدید سائنسی تحقیق نے ثابت کیا ہے کہ بہت زیادہ جذباتی افراد کی طبعی عمر اور قوت فیصلہ کی صلاحیت کم ہوتی ہے۔

دین اسلام نے عالمگیر محبت کا درس دیا ہے اسے عملی جامہ اسی وقت پہنایا جاسکتا ہے جب کہ ہم غصہ اور نفرت جیسے فطری جذبات کو عقل کے تابع نہ کرلیں۔

ہمارے معاشرے میں اکثر والدین اور اساتذہ کا رویہ بچوں کے ساتھ کچھ نامناسب سا ہے بچوں کو سمجھانے کی بجائے ڈانٹ ڈپٹ اور غصہ سے پیش آتے ہیں جس کی وجہ سے ان میں چھپی مخفی صلاحیتیں متاثر ہوتی ہیں اور قوم اچھے معمار پیدا کرنے سے قاصر رہتی ہے۔

والدین اور اساتذہ کا فرض ہے کہ وہ نئی نسل سے پیار و محبت سے پیش آئیں کیونکہ جو کام پیار و محبت کے جذبے سے لیا جاسکتا ہے وہ غصہ اور نفرت سے نہیں۔

خواجہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ غصہ ایک فطری جذبہ ہے یہ بالکل نفی تو نہیں ہو گا تاہم کنٹرول اور قابو میں کیا جاسکتا ہے۔ جب ان سے سوال کیا گیا کہ آپ کو بھی تو غصہ آجاتا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ میرے دل و دماغ پر غصے کا مطلق کوئی اثر نہیں ہوتا بالکل اسی طرح جیسے کہ طوفان کے وقت سمندر کی صرف سطح متلاطم ہوتی ہے نیچے تہ پر کامل سکون ہوتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے اس فطری جذبہ کو قابو میں رکھنے کے لئے مختلف طریقے بھی بتائے تاکہ انسان غصے کی مضرتوں سے نجات حاصل کر کے ثواب کا مستحق ٹھہرے۔

آپ ﷺ نے فرمایا غصہ شیطان کی طرف سے ہے اور شیطان آگ سے پیدا کیا گیا آگ کو پانی ٹھنڈا کرتا ہے پس اگر تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو فوراً وضو کرلیا کرو۔

"جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اسے چاہئے کہ وہ خاموشی اختیار کرے" یہ بات آپ نے تین دفعہ دہرائی۔ بانی سلسلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے مجاہدات میں صرف غصہ اور نفرت کی مشق پہ زور دیا ہے کیونکہ دیگر اخلاقی برائیاں انہی دو جذبات سے پیدا ہوتی ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس فطری جذبے کو تابع کر کے ہم معاشرے میں موجود بیشتر برائیوں کا خاتمہ کرسکتے ہیں اور صحیح معنوں میں عالمگیر محبت کو فروغ دے سکتے ہیں۔

اب یہ ہمارا فرض ہے کہ جو بھائی معمولی سی باتوں پر اشتعال میں آجاتے ہیں ان کی اصلاح کریں تاکہ معاشرے میں حقیقی امن قائم ہوسکے جس کا درس دین اسلام نے دیا ہے۔

صدائے فقیر

اغیار کی دوستی اور قرآن

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی

اس وقت دنیا میں کروڑوں کتابیں موجود ہیں لیکن کسی مصنف نے اپنی کتاب کے بارے میں یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اس کے مندرجات ہر شک و شبہ سے بالا تر ہیں۔ یہ اعجاز اور اعزاز صرف اللہ تعالیٰ کی نازل کی ہوئی کتاب قرآن مجید کو حاصل ہے کہ اس کی ابتدا ہی اس اعلان سے ہوتی ہے کہ شکوک و شبہات کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے اور یہ ازلی' ابدی اور اٹل حقائق پر مشتمل ہے۔ اہل ایمان اس عظیم کتاب کے ایک ایک لفظ پر صدق دل سے ایمان لاتے اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین رکھتے ہیں۔ اس کتاب کا ایک معجزاتی پہلو یہ بھی ہے کہ اس میں دی ہوئی ہر پیشگوئی حرف بحرف درست ثابت ہوتی ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کا علم غیر متناہی اور ماضی و مستقبل کی جکڑ بندیوں سے وراء الورا ہے۔ اہل ایمان اللہ تعالیٰ کے ہر فرمان پر یقین کامل رکھتے ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ابھی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت نہیں فرمائی تھی اور کفار کی طرف سے اہل ایمان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے۔ اسی دوران میں دنیا کی دو عظیم طاقتوں روم اور ایران میں جنگ جاری تھی۔ بت پرست مشرکین مکہ کی ہمدردیاں آتش پرست ایرانیوں کے ساتھ تھیں اور مسلمان اپنی فطرت کے مطابق اس وقت بھی اہل کتاب رومیوں کے غلبہ کے خواہاں تھے۔ اس جنگ میں ایرانیوں نے رومیوں کو بہت بری طرح شکست دے دی تو کفار مکہ بہت خوش ہوئے اور اسے اپنی فتح اور مسلمانوں کی شکست پر محمول کیا۔ انہی ایام میں قرآن کریم میں سورت الروم کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں جس میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اہل روم اس مغلوبیت کے چند روز بعد ہی ایرانیوں پر غالب آ جائیں گے۔ اس وقت رومیوں کو اس انداز سے شکست ہوئی تھی کہ مادی نکتہ نظر سے ان کی دوبارہ فتحیابی ناممکن دکھائی دیتی تھی۔ لیکن اہل ایمان اپنے رب کے قول کو اٹل جانتے ہوئے اس پیشگوئی پر خوش ہو گئے۔ حضرت ابو بکر صدیق ؓ کے ایقان کی یہ کیفیت تھی کہ انہوں نے قریش کے ایک ممتاز سردار ابی بن خلف سے شرط لگائی کہ اگر تین سال کے دوران رومی غالب نہ آئے تو میں دس اونٹ دوں گا اور اگر غالب آ گئے تو تم دس اونٹ مجھے دینا۔ جب آنحضرت ﷺ کو اس شرط کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن کریم کی آیت میں "بضع

سنین" آیا ہے اور اس کا اطلاق تین سے نو سال کی مدت تک ہوتا ہے لہٰذا تم اس شرط کی مدت نو سال تک مقرر کر کے اونٹوں کی تعداد بڑھالو۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے ابی بن خلف سے نو سال کی مدت مقرر کر کے سو اونٹوں کی شرط لگائی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے عین مطابق قیصر روم نے اپنی شکست سے ٹھیک سات سال بعد ایرانی فوجوں کو شکست فاش دے دی۔ اہل ایمان کو یہ خوشخبری اس وقت ملی جب اللہ کی نصرت سے وہ میدان بدر میں کفار کو شکست دے چکے تھے۔ اسطرح مسلمانوں کو دوہری خوشی نصیب ہوئی۔

جب تک اہل ایمان رب العالمین کے ارشادات اور حضور رحمتہ اللعلمین ﷺ کے فرمودات کو حرز جان بنا کر بنی نوع انسان کو ہر نوع غلامی سے نجات دلانے اور دنیوی واخروی نعمتوں سے مالا مال کر دینے والے' اللہ کی حاکمیت والے سچے دین کے علمبردار بن کر مجاہدانہ زندگی بسر کرتے رہے انہیں اللہ تعالیٰ کی نصرت حاصل رہی اور فتح و کامرانی ان کے قدم چومتی رہی۔ جب امت مسلمہ کا عقیدہ کمزور پڑ گیا اور وہ دنیوی لذات میں گرفتار ہو کر امت وسطی کے کردار کو فراموش کر بیٹھی تو اسے سزا کے طور پر اغیار کی غلامی میں مبتلا کر دیا گیا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد اس ابتلا کا ایک دور ختم ہوا اور مسلمان ممالک کو سیاسی آزادی نصیب ہوئی لیکن ہم نے اس روش کو پوری طرح بدلنے کی کوشش نہیں کی جس کی پاداش میں اقوام عالم کی قیادت ہم سے سلب کر دی گئی تھی۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کے واضح احکام کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی قوت و نصرت پر بھروسہ کرنے کی بجائے اللہ کے دشمنوں اور اپنے سابق آقاؤں کو ہی اپنا سرپرست' دوست اور ہمدرد بنائے رکھنے کی کوتاہی کی اور اللہ کی طرف سے اس کی سزا بھی بھگت رہے ہیں۔ قرآن کریم جو ہمارا آئین حیات ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے ہماری خارجہ پالیسی کی بنیادیں بڑی وضاحت کے ساتھ متعین کر رکھی ہیں۔ ہم یہاں متعلقہ آیات کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں تاکہ ان کی روشنی میں اپنے قومی کردار کا جائزہ لے کر جادہ حق پر گامزن ہو سکیں۔

"جو لوگ اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھو گے خواہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا خاندان ہی کے لوگ ہوں"۔ (22:58)

"اے اہل ایمان ان لوگوں سے جن پر اللہ غصے ہوا ہے (یعنی یہود و نصاریٰ سے) دوستی نہ کرو۔ یہ لوگ بھی آخرت کی زندگی سے اسی طرح ناامید ہو گئے ہیں جس طرح کافر قومیں مردوں کے

جی اٹھنے سے ناامید ہیں"۔ (60-13)

"اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتابیں دی گئی تھیں ان کو اور کفار کو جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے دوست نہ بناؤ۔ اور مومن ہو تو اللہ ہی سے ڈرو"۔ (5: 75)

"اے ایمان والو! اغیار کو اپنا رازدان نہ بنانا۔ یہ لوگ تمہاری خرابی میں کسی طرح کی بھی کوتاہی نہیں کرتے اور ہر اس امر کی خواہش کرتے ہیں جس سے تمہیں تکلیف پہنچے۔ کچھ دشمنی تو ان کی باتوں سے ظاہر ہو چکی ہے اور کچھ ان کے سینوں میں مخفی ہے وہ کہیں زیادہ ہے۔ ہم نے تمہارے لئے علامات واضح طور پر بیان کر دی ہیں اگر تم عقل سے کام لو"۔ (118:3)

"اے ہمارے رسول ﷺ آپ دیکھیں گے کہ مومنوں کے ساتھ سب سے زیادہ عداوت رکھنے والے یہودی اور مشرکین ہیں"۔ (82:5)

"اے ایمان والو! یہودیوں اور عیسائیوں کو دوست نہ بناؤ۔ یہ باہم ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اور تم میں سے جو ان کو دوست بنائے گا وہ بھی انہیں میں سے شمار ہو گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایات نہیں دیتا"۔ (51:5)

"یہ خوف دلانے والا تو شیطان ہے جو تمہیں اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے۔ اگر تم مومن ہو تو ان سے مت ڈرنا اور مجھی سے ڈرتے رہنا"۔ (175:3)

"تمہارے خیر خواہ اور دوست تو اللہ تعالیٰ، اس کا رسول ﷺ اور وہ اہل ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے اور اطاعت میں جھکے رہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور اہل ایمان سے دوستی کرے گا وہ گویا اللہ کے لشکر میں شامل ہو گیا اور اللہ کا لشکر ہی غلبہ پانے والا ہے"۔ (5:55-56)

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کس قدر واضح الفاظ میں یہود و ہنود و نصاریٰ کی نفسیات بیان کر کے ہمارے لئے ایک محفوظ حکمت عملی طے فرما دی۔ اس کے باوجود بھی اگر ہمارے حکام اللہ تعالیٰ کے صاف صاف احکام کے علی الرغم ان اقوام کی دوستی کے وہم میں مبتلا ہو جائیں تو نتیجہ تو یقینی طور پر وہی نکلے گا جس کی نشاندہی اللہ تعالیٰ نے کر رکھی ہے۔ بار بار اغیار کے ہاتھوں نقصان اٹھانے کے باوجود ہمارے دانشور، صحافی اور سیاستدان ان چہیتوں کی دوستی کے دم بھرنے سے باز نہیں آتے۔ اور ساتھ ساتھ ان اصنام باطل کی بے وفائیوں کا شکوہ بھی کرتے رہتے ہیں تاکہ

کسی طرح ان کی نظر التفاف حاصل ہو جائے۔ ان کی فریب کاریوں کے باعث رنج پر رنج اٹھاتے چلے جا رہے ہیں پھر بھی ان کی دوستی کے جال سے چھٹکارا حاصل کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔ حالانکہ حضرت ابوبکر صدیق بن عاص ؓ کی طرح اللہ کے فرمان کی صداقت پر یقین رکھنے والا ہر سچا مسلمان اب بھی شرطیہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ یہود، ہنود اور عیسائی کبھی ہمارے خیر خواہ نہیں ہو سکتے۔ آزمانا تو اسے چاہئے جس کے بارے میں علم اور تجربہ نہ ہو۔ ہمیں تو ہمارے علیم و خبیر پروردگار نے ان کے خبث باطن سے بھی آگاہ فرمادیا ہے اس لئے ان اقوام کے ساتھ تمام معاملات اللہ تعالیٰ کے فرمودات کی روشنی میں ہی طے کرنے چاہئیں تاکہ ان کی شر سے اور اللہ کی ناراضگی سے بچ جائیں۔ مسلمانوں سے ازلی بیر رکھنے والے ان گروہوں کے علاوہ دوسری غیر مسلم اقوام سے تعلقات رکھنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ہماری راہنمائی کے لئے ارشاد فرمایا۔

"جن لوگوں نے تم سے دین کے اختلاف کی وجہ سے جنگ نہیں کی اور نہ ہی تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ان کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا سلوک کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہیں منع نہیں فرماتا۔ اللہ تعالیٰ صرف ان لوگوں کے ساتھ تم کو دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی کی اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں دوسروں کی پشت پناہی کی۔ جو لوگ ایسوں سے دوستی کریں گے وہی ظالم ہیں"۔ (8:6)

قرآن کریم کی ان آیات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہمیں چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچیں اور کائنات کے حکمران جسے پاکستان کے آئین کے مطابق مملکت خداداد پاکستان کا مقتدر اعلیٰ تسلیم کیا گیا ہے کی ہدایات کے مطابق اس ملک کی تمام پالیسیاں مرتب کریں تاکہ اس کی تائید و نصرت کے حقدار ٹھہرائے جائیں۔ حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں جب مصر میں اسلامی افواج کی فتوحات کی رفتار ذرا کم ہو گئی تو آپ نے مجاہدین کے کمانڈر حضرت عمرو بن ؓ عاص کو نہایت ہی پر مغز اور حقائق افروز خط لکھا کہ "اپنی افواج کا جائزہ لو کہ کسی کام میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ الصلوۃ والسلام کی نافرمانی تو نہیں ہو رہی۔ ہمیں اللہ تعالیٰ اس لئے فتوحات عطا کرتا ہے کہ ہمارا دشمن اس کا نافرمان ہے اگر ہم بھی نافرمان ہو گئے تو اللہ ہمیں اپنی نصرت سے محروم کر دیگا۔ پھر جنگ کے نتائج کا انحصار فوجوں کی نفری اور اسلحہ کی برتری پر ہو گا۔ اور ہمارا دشمن اس کا نافرمان ہے۔ اگر ہم بھی نافرمان ہو گئے تو اللہ ہمیں اپنی نصرت سے محروم کر دیگا۔ پھر جنگ کے نتائج کا انحصار فوجوں کی نفری اور اسلحہ کی برتری پر ہو گا اور ہمارا دشمن دونوں لحاظ سے ہم پر فوقیت رکھتا ہے" اس سے یہ حقیقت

نکھر کر سامنے آگئی کہ مسلمانوں کی کامیابی کا راز اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب علیہ الصلوۃ والسلام کی کامل اطاعت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت اور دوسری اقوام پر غلبہ صرف اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے کہ ہم من حیث القوم پوری طرح اللہ کے دین میں داخل ہو کر اس کے تابع فرمان بندے اور سچے مسلم بن جائیں۔ اگر ہمیں اپنے کھوئے ہوئے مقام کو دوبارہ حاصل کرنے کی جستجو ہے تو ہمیں زندگی کے ہر شعبہ پر اللہ تعالیٰ اور اس کے آئین کی بالادستی کو قبول کرنا ہو گی۔ جزوی اطاعت کرنے والوں کو قرآن کریم میں خطاب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "کیا تم کتاب کے بعض احکام کو تو مانتے ہو اور بعض سے انکار کئے دیتے ہو۔ تو جو تم میں سے ایسی حرکت کریں ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ دنیا کی زندگی میں رسوائی ہو اور قیامت کے دن سخت سے سخت عذاب میں ڈال دئے جائیں۔ اور جو کام تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ ان سے غافل نہیں"۔(85:2)

پاکستانی قوم نے ایٹمی دھماکہ کر کے اپنی زندگی اور بیداری کا ثبوت دیا ہے۔ بلاشبہ موجودہ حالات میں یہ ایک عظیم کارنامہ ہے جس کے لئے سب سے پہلے ہم اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتے ہیں جس کے فضل سے یہ کامیابی ممکن ہوئی اس کے بعد ہم اپنے عظیم سائنسدانوں کے تہہ دل سے ممنون ہیں جنہوں نے دن رات محنت کر کے نہ صرف پاکستانی قوم بلکہ پوری مسلم امہ کا سر افتخار سے بلند کر دیا ہے۔ اس سلسلے میں پاکستان کے مخلص اور غیور عوام کا بے مثال حوصلہ بھی قابل داد ہے جو اللہ کے نام اور اسلام کی عظمت کی خاطر ہر قسم کی قربانی خوشی کے ساتھ دینے کے لئے ہر دم تیار رہتے ہیں۔ ہم وزیراعظم پاکستان ار عسکری قائدین کی ایمانی قوت اور جرات کو بھی سلام کرتے ہیں جنہوں نے فقر غیور کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہر بیرونی دباؤ اور لالچ کو مسترد کر دیا اور قوم کو آقائے دو جہاں حضور رحمت اللعلمین ﷺ کی سنت کے مطابق اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرنے اور خود انحصاری و سادگی کی زندگی بسر کرنے کی راہ دکھائی۔ ہمیں اس حقیقت کو ذہن میں رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دشمنوں کے خلاف حملہ کرنے کی قوت و صلاحیت جمع کرنے کا جو حکم دے رکھا ہے یہ اس کے عطا کردہ مکمل نظام حیات کا ایک جزو ہے۔ ہمارا حقیقی نصب العین یہ ہے کہ پہلے تو ہم خود اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور انسانیت کی فلاح و خدمت والے دین رحمت کو پوری طرح اپنا کر کرہ ارض کی مثالی قوم یعنی خیر الامت بن جائیں پھر پوری انسانیت کی دنیوی اور اخروی فلاح کی خاطر اللہ کے دین کے نور کو ساری دنیا میں پھیلانے کے لئے امت وسطی کا کردار ادا کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت کو صرف اس کردار کے ساتھ مشروط کر رکھا ہے۔

دین اور مخلوق

محمد مرتضیٰ توحیدی

یہ تھے وہ انعام ان لوگوں کے لئے جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کئے۔ نیک عمل ایک دن کی بات نہیں دو دن کی بات نہیں بلکہ پوری زندگی کا سودا ہے۔ نیک عمل کرتے چلے جائیں اور آگے بڑھتے چلے جائیں اور اسی طرح زندگی کو اس کے اچھے انجام تک پہنچا دیں۔ ایک دائمی خوشی اور چین و سکون کی زندگی حاصل کرلیں۔ اور جو لوگ نیک عمل نہیں کریں گے وہ بھاگ کر کہاں جائیں گے۔ یہ دنیا ہی ان کے لئے بہت بڑی مثال ہے۔ کیا کوئی اس دنیا سے بھاگ سکتا ہے۔ بھاگ کر کہاں جائے گا۔ آخر اس دنیا میں آنا پڑے گا اور موت کا مزہ چکھنا پڑے گا۔ بغیر موت کے کسی بھی مخلوق کو اس دنیا سے جانے کا اجازت نامہ مل گیا۔ نہیں ملا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی فطرت سے ہے اس لئے کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔

جب میں اس دنیا سے بھاگ نہیں سکتا۔ موت سے بھی چھٹکارہ نہیں ہے۔ تو کیوں نہ صدق دل سے اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑلیں۔ اور اللہ کی خوشی کے لئے کام کرتے چلے جائیں اور دنیا میں فساد برپا نہ کریں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر دنیا میں جتنے مذاہب ہیں۔ یا طریقہ زندگی ہے۔ ان کو نیک نیتی سے پرکھا جائے اور ان میں کوئی ایک مذہب یا طریقہ زندگی کو اپنایا جائے۔ اس میں زیادہ دیر نہیں کرنی چاہیے۔ جو صحیح بات ہے وہ سامنے آجانی چاہیے۔ اور روزانہ جتنے لوگ مرتے ہیں اور جتنے لوگ دنیا میں آتے ہیں سب کو دوزخ میں جانے اور غلط مذہب کو اپنانے سے روکا جائے۔

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ نبی کریم محمد ﷺ آخری نبی ہیں اور قرآن آخری کتاب الٰہی ہے۔ جو آپ پر نازل ہوئی۔ اس میں کوئی شک اور کوئی شبہ نہیں ہے۔ بنیادی چیز میں کوئی شک اور کوئی شبہ نہیں ہے۔ قرآن صحیح ہے اور نبی ﷺ برحق ہیں تو کوئی اس سے جان نہیں چھڑوا سکتا۔ کتاب اور نبی ﷺ تو اللہ نے ہمیں دے دیا۔

اب آپ کہاں جاسکتے ہیں کوئی عیسائی، کوئی یہودی، کوئی ہندو، کوئی پارسی، کوئی بے دین یا اور کوئی جو کوئی اور زندگی اور طرز زندگی سے تعلق رکھتا ہو۔ اپنی جان نہیں چھوڑا سکتا۔ اس کو جواب دینا ہو گا کہ آخری نبی ﷺ اور آخری کتاب پر کیوں ایمان نہیں لائے۔

کیا آپ کے پاس اس کا کوئی جواب ہے۔ آپ کے پاس کوئی جواب نہیں ہو گا۔ جب سچ بات کو ہر ایک مذہب سچ جانتا ہے۔ جھوٹ کو ہر مذہب جھوٹ ہی کہتا ہے۔ پیار و محبت کو ہر شخص اچھا جانتا ہے۔ غصہ اور نفرت کو ہر مذہب برا کہتا ہے۔ دنیا میں فساد کو ہر مذہب برا جانتا ہے۔ قتل و غارت کو ہر مذہب برا کہتا ہے۔ جاندار کی خدمت اور جان بچانے کو ہر مذہب اچھا جانتا ہے اب کونسی کسر باقی رہ گئی کہ سچے اور آخری نبی ﷺ کو اور اللہ کی آخری کتاب کو اسی حالت میں جیسے نازل ہوئی تھی کیوں نہیں مانا جاتا یا یوں کہیے صدق دل سے اس پر ایمان کیون نہیں لایا جاتا۔ راستے میں کیا رکاوٹ ہے۔ کوئی رکاوٹ نہیں۔ اگر رکاوٹ ہے تو انسان خود ہے۔ اس کا دل صاف نہیں ہے۔ اس کا ذہن صاف نہیں؟ اس کا نفس صاف نہیں ہے؟ اس کی روح پاک نہیں ہے، اس کے خیالات اور احساسات آزاد نہیں ہیں۔ اگر آزاد نہیں ہیں تو یہ صحیح فیصلہ کیسے کر سکے گا۔ اس کو صحیح دین کی پہچان کے لئے اپنی تمام کمزوریوں کو دور کرنا پڑے گا۔ آزاد ہونا پڑے گا۔ نبی پاک ﷺ نے کسی پر کوئی زبردستی نہیں کی بلکہ دین کی حقانیت کو ہر انسان کے سامنے رکھا اور لوگوں کو دین کی روشنی سے ان کے تمام اوصاف کو منور کیا، روشن کیا۔ اور اس کی مثال صحابہ اکرام کی زندگی سے لیکر اب بے شمار لوگوں سے اس تعلیم کی روشنی سے اپنے روح و جگر کو منور کیا اور دوسروں کے لئے باعث رحمت بنے۔ دنیا کے لئے سکون بنے اور ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے والے بنے۔ انسانوں کو برابری کا درس دیا۔ درجاتی جاہ و جلال کو ختم کیا اور ہر انسان کو برابری کا سبق دے کر ایک دوسرے کو نزدیک سے نزدیک تر کیا اور بھائی بھائی بنا دیا۔ صرف اِتنا ہی نہیں بلکہ پیار و محبت کی ایسی مثال قائم کی اپنی جان دوسروں پر نثار کر

دی۔ اس سے بڑی اور کیا بات ہو سکتی ہے۔ اور یہ جو کچھ کیا اللہ کے لئے کیا اور کسی پر احسان بھی نہیں کیا۔

کسی کو اعتراض ہو سکتا ہے۔ لیکن اعتراض سے حقانیت کو شکست نہیں دی جا سکتی۔ اور اپنے آپ کو بچایا نہیں جا سکتا۔ ہر انسان ذمہ دار ہے۔ اس کو فقط اپنے اعمال کا جواب دینا ہو گا۔ اور اگر اللہ پوچھ بیٹھے کہ مسلمان اچھے نہیں تھے تو کیا میرا دین تو ٹھیک تھا اور جس برائی سے مسلمانوں کو نامنظور کیا۔ اس اچھائی کو خود کیوں نہیں اپنایا۔ پھر کیا جواب دیں گے۔ ہر انسان نے اچھا ہونا ہے۔ ایمان لانا ہے۔ نیک عمل کرنا ہے۔ اللہ نے یہی حکم دیا ہے۔ دوسروں کے کیڑے نکالنے کے لئے نہیں کہا۔ بلکہ نیک اور نیک کام کرنے کے لئے کہا اور اسی کو دوسروں تک پہنچانے کے لئے کہا۔

تمام عیسائیوں کو، تمام یہودیوں کو، تمام ہندوؤں کو، تمام غیر مذہب اور مکتب فکر کو دعوت دی جاتی ہے کہ دین اسلام کی طرف آ جاؤ۔ اس کی روشنی سے فائدہ اٹھاؤ اور اس دین کو لیکر دنیا میں پھیل جاؤ۔ دیکھو پیچھے مت رہو۔ ورنہ پیچھے رہنے والوں کا حشر برا ہو گا۔ ایک اور چیز واضح طور پر بتا دینا چاہتا ہوں کہ تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ لیکن تمہاری آنے والی نسلیں مسلمان ہونگی۔ اور پورے عالم میں دین محمدی کا بول بالا ہو گا۔ قرآن کی پیروی ہو گی اور اللہ کی حکومت کو مانا جائے گا۔ انسان بطور خلیفہ کے تمام مخلوقات پر حاوی ہو گا۔ لیکن اللہ کی ذات کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔ انسان اپنے تمام اعمال کا جواب دہ ہو گا اور اللہ واحد و یکتا اور کسی چیز کا کسی کو جواب دہ نہ ہو گا۔ اس کی شان جیسے ہے ویسے ہی رہے گی۔ اس میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ انسان اپنے تمام اعمال کا جواب دیکر جنت یا دوزخ کا رخ کریں گے۔ کیا آپ نہیں چاہیں گے کہ جنت کا رخ کریں۔

خواجہؒ کے خطوط

سلسلہ عالیہ توحیدیہ مقصد

خالد مسعود

قبلہ عبدالحکیم انصاریؒ فرماتے ہیں۔

"ہمارا سلسلہ اور تعلیم دوسرے حلقوں سے بالکل مختلف ہے اس لئے حلقہ قائم کرنے سے پہلے اپنے توحیدی عقائد اچھی طرح لوگوں کو سمجھا دینے چاہئیں اور جو ان میں پکے ہوں صرف ان کو شامل کرنا چاہیے"۔

1963-8-17 بنام محمد مرتضیٰ صاحب

ایک دوسرے پہلو سے سلسلہ توحیدیہ کا مقصد یہ بیان فرمایا

"یہ سب (کرامات) فضول باتیں ہیں۔ ہمارا حلقہ تو اصلاح کرنے اور خدا کا قرب حاصل کرنے کے لئے بنایا گیا ہے کرامتیں دکھانے کو نہیں"۔

1966-3-4 بنام محمد صدیق ڈار صاحب

ایک اور مکتوب میں فرماتے ہیں۔

""ع" صاحب سے کہدیں (میری طرف سے) کہ آپ نے جو شرط پیش کی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کی زیارت کرادوں تو آپ حلقہ میں شریک ہو جائیں گے۔ تو میں اس شرط کو پورا نہیں کر سکتا۔ دوسرے آپ کی باتیں اور آپ کا مزاج ہمارے حلقہ کے موافق نہیں ہے۔ ایک دن آپ قوالی میں ناچنے لگے تھے۔ ایسی رکیک حرکتوں کی ہمارے ہاں اجازت نہیں ہے۔ اس لئے آپ ہم پر کرم ہی کریں۔ کوئی اور جگہ اپنی تفریح کے لئے ڈھونڈ لیں۔ ہمارا حلقہ تفریح کے لئے نہیں ہے کام کرنے کے لئے ہے"

1964-3-27 بنام قاسم صاحب

اقتباس از مکتوبات خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ

تعمیر ملت اور اقامت دین

محمد حسین

(حصہ دوم آخری)

اقامت دین کا طریقہ کار

اب اس مقصد کو حاصل کرنے کا طریقہ کار کیا ہونا چاہئے۔ چونکہ ہمارا دعویٰ ہے کہ ہر مسئلے کا حل قرآن پاک اور اسوہ حسنہ میں موجود ہے تو اس بنیادی مسئلے کا حل بھی یہیں سے ڈھونڈتے ہیں۔

یہ ایک طے شدہ بات ہے کہ نبوت اکتسابی نہیں بلکہ ایک وہبی منصب ہے یعنی یہ منصب جلیلہ عبادت و ریاضت اور محنت شاقہ کے صلے میں نہیں ملتا اور نہ نہ اتفاقاً یہ سعادت ہاتھ آجاتی ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام آگ لینے گئے تو پیغمبری مل گئی۔

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھے کوئی
کہ آگ لینے کو جائیں اور پیغمبری مل جائے

یہ مقولہ غلط ہے بلکہ جن نفوس قدسیہ کو اس منصب اعلیٰ سے نوازنا ہوتا ہے انہیں شروع ہی سے بے مثل بنا دیا جاتا ہے۔ اعلان نبوت سے پہلے حضور نبی پاک ﷺ کی چالیس سالہ زندگی ایک مثالی زندگی ہے جس کا دشمن بھی انکار نہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کی دلیل میں حضور ﷺ کی اعلان نبوت سے پہلے کی زندگی ہی کو پیش فرمایا فقد بثت فیکم عمرا من قبلہ افلا تعقلون۔ کوئی معجزہ ظاہر نہیں فرمایا اگر اعلان نبوت سے پہلے کی زندگی میں ذرا سا بھی جھول ہوتا تو اللہ تعالیٰ اسے بطور دلیل پیش نہ فرماتا یہ ساری تربیت ایک خاص پروگرام کے تحت انجام پائی۔ آپ ﷺ کا یتیم پیدا ہونا۔ بادیہ نشینی اور بکریاں چرانا شق صدر کا واقعہ پیش آنا پھر غار حرا میں خلوت میں کئی کئی دن اللہ کی یاد میں گذارنا سب پیغمبرانہ نہج پر تربیت ہی کے مراحل تھے۔ مطلب یہ کہ پیغمبر کی تربیت کے زیر اثر وہ پیغمبری کے منصب پر فائز ہو گیا۔ علامہ اقبالؒ کے مندرجہ ذیل اشعار تو علامتی ہیں شعیب علیہ السلام اور کلیم علیہ السلام بطور علامات استعمال ہوئے ہیں وگرنہ

حقیقت میں ایسا بھی نہیں ہوا کہ کسی صالح انسان کی تربیت سے کسی کو پیغمبری مل گئی ہو۔

دم عارف نسیم صبح دم ہے
اسی سے ریشہ معنی میں نم ہے
اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

باوجود اتنی سخت تربیت کے اعلان نبوت کے ابتدائی ایام میں خدائی صفات کا رنگ اور زیادہ گاڑھا کرنے کے لئے سورۃ مزمل میں فرمایا یایھا المزمل O قمل الیل الا قلیلاO نصفه اونقص منه قلیلاOاوزد علیه ورتل القران ترتیلا O انا سنلقی قولا ثقیلا O "اے کملی اوڑھنے والے ﷺ رات کو کچھ حصہ کے سوا قیام فرماؤ آدھی یا اس سے کچھ کم اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو بے شک ہم عنقریب تم پر ایک بھاری بات "اقامت دین" ڈالیں گے"۔ یعنی بھاری بات ڈالنے سے پہلے قرب الٰہی میں اور زیادہ ترقی کے لئے رات کو مجاہدہ کرنے کا حکم ہوتا ہے۔ اس میں شک کی گنجائش نہیں کہ حضور ﷺ پہلے ہی مقرب تھے۔ مگر اس قرب سے مراد فاصلہ سے کمی بیشی نہیں بلکہ اپنے آپ کو صفات الٰہیہ میں رنگ لینے کو قرب کہا جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ سورۃ بقرہ میں فرماتا ہے صبغته الله (اللہ کا رنگ) آگے پھر فرمایا ومن احسن من الله صبغته ونحن له عبدون O (اور اللہ کے رنگ سے کس کا بہتر رنگ)۔ اللہ کے رنگ سے نیلا پیلا یا سرخ رنگ تو مراد نہیں بلکہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں (اسماء الحسنٰی) لہٰذا نہ ہی صفات الٰہی کی کوئی انتہا ہے اور نہ ہی قرب میں ترقی کی کوئی انتہا ہے یہ صفات الٰہیہ حدود بشری کے مطابق ہر انسان کے اندر مضمر ہیں۔ انہی مضمر صفات کی نشوونما کرنا یہاں تک کہ یہ امکانی حد تک مشہور ہو جائیں۔ انسانی انفرادی کمال کا نقطہ عروج ہے اسی عروج کو علامہ "خودی کہتے ہیں' جتنی یہ خودی نمایاں ہوگی انسان اتنا ہی زیادہ مقرب بارگاہ الٰہی ہوگا اسی کا نام تکمیل ذات ہے' اسی کو تصوف کی زبان میں سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ بھی کہتے ہیں۔ یہ حضور نبی پاک ﷺ کی زندگی کا پہلا مرحلہ ہے اب تکمیل ذات کے بعد جب حقائق مستور آپ ﷺ پر منکشف ہوئے تو ان پر کیف مناظر سے خود ہی لذت اندوز نہیں ہوتے رہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم بموجب مخلوق کی طرف مراجعت فرمائی

جسے سیر من اللہ کہتے ہیں تاکہ تمام دنیائے انسانیت میں ایک انقلاب پیدا کر دیں چنانچہ حکم ہوتا ہے یاایھا المدثرO قم فانذرO ولربک فکبرO اے بالا پوش اوڑھنے والے ﷺ کھڑے ہو جاؤ اور ڈر سناؤ اور اپنے رب کی بڑائی بولو) یعنی دعوت و تبلیغ کا کام شروع کر دو اور ساتھ ساتھ وربک فکبر سے زاد راہ بھی حاصل کرتے رہو اور صفات الہیہ کا رنگ بھی گاڑھا کرتے رہو جو تعاون کرے اسے بھی اسی رنگ میں رنگتے رہو اور اتنا رنگ چڑھاؤ کہ وہ بھی رنگریز اور رنگ ساز بن جائے۔ زمانے نے دیکھا کہ حضور ﷺ نے اللہ کی طرف سے ہدایت کی روشنی میں دن رات کی محنت شاقہ سے ایسے رنگریز اور رنگ ساز اور جانثار نفوس قدسیہ رشک ملاءاعلیٰ کی ایک ایسی جماعت تیار کر لی کہ زمانے کی نگاہوں نے چرخ نیلگوں کے نیچے ایسی جماعت نہ دیکھی ہو گی اور نہ آئندہ دیکھیں گے۔

اک سمت علیؓ اک سمت عمرؓ عثمانؓ ادھر صدیقؓ ادھر
ان جگ مگ جگ مگ تاروں میں مہتاب ﷺ کا عالم کیا ہو گا

مدنی دور میں جب یہ جماعت اخلاقی اور روحانی طور پر اور زیادہ قوی و مضبوط ہو گئی یعنی اس پر جمالی صفات الہیہ کا بشری حدود کے مطابق پورا پورا رنگ چڑھ گیا اور اس پر ایک اور رنگ چڑھانے کا حکم ہوا یعنی جلالی اور جہادی رنگ لہٰذا فرمایا وقاتلوفی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدواO (اور اللہ کی راہ میں لڑو ان سے جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے نہ بڑھو یعنی ظلم نہ کرو) اس کے بعد پھر یہ حکم ہوتا ہے وقتلوھم حیث ثقفتوھم واخرجوھم من حیث اخرجوکم والفتنتہ الشد من القتل O "اور ان کو (منکروں کو) قتل کرو جہاں پاؤ اور انہیں نکال دو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا تھا ان کا (کافروں کا) فتنہ قتل سے بھی زیادہ سخت ہے" اس کے بعد اور سختی کا حکم ہوتا ہے وقاتلوھم حتی لا تکون فتنتہ ویکون الدین للہO "اور ان سے لڑو قتال کرو یہاں تک کہ ان کا فتنہ نہ رہےاور دین صرف اللہ ہی کا ہو جائے" یعنی دین اسلام تمام باطل نظاموں پر غالب آ جائے۔ زمانہ گواہ ہے کہ نبی پاک ﷺ نے چند سالوں میں اپنے جانثار غلاموں کے ہمراہ جزیرہ نما عرب میں کفار کے فتنے کا سر کچل کر رکھ دیا اور دین حق کو معاشی' معاشرتی' سیاسی حتیٰ کہ ہر طرح سے غالب کر دیا حق چھا گیا اور باطل مٹ گیا۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں

کہ نبی پاک ﷺ کی زندگی آپ کے بے شمار شانوں کے مختلف رنگوں کی قوس قزاح ہے جس میں تعمیر خودی (تکمیل ذات)' دعوت و تبلیغ' غلبہ دین حق (اقامت دین یا تعمیر ملت) کے تین رنگ بہت نمایاں ہیں۔ (جب یہ رنگ ایک خاص مناسبت سے متوازن صورت مین یکجا ہوئے تو ایک بے رنگی یعنی سفید روشنی وجود میں آگئی جس نے دنیا کو جو کہ ظلمت کدہ بن گئی تھی منور کر دیا حضور ﷺ کے زمانے جیسا ہر قسم کے معاشی' معاشرتی' سیاسی اور مذہبی استحصال اور ظلم جور سے پاک پر امن زمانہ اس سے پہلے کبھی نہ ہوا۔ اس کے بعد صحابہؓ اور تابعین کا زمانہ جسے نبی پاک ﷺ نے خیرالقرون فرمایا ہے۔ یاد رہے کہ سورج کی روشنی کے سات مختلف رنگ ہیں اور جب ساتوں خاص نسبت سے ملتے ہیں تو سفید روشنی ظاہر ہوتی ہے جو زندگی بخش ہے اگر ان رنگوں میں کمی بیشی ہو جائے تو زمین پر زندگی مفلوج ہو کر رہ جائے۔

اسی طرح حضور نبی پاک ﷺ کی زندگی کے کسی ایک رنگ کو چھوڑ دیا جائے تو انسانیت متوازن نہیں رہ سکتی تو پھر اصلاح انسانیت یا غلبہ دین یا اقامت دین بھی ممکن نہیں۔ اس طرح نبی پاک ﷺ کی زندگی کا پہلا دور سیرت مقدسہ نجی اور انفرادی پہلو ہے جس میں غار حرا کی خلوتیں' سجدے' آہ و زاریاں عشق الٰہی میں وارفتگیاں اور حلاوت آفرین کیفیات ہیں۔ اسوہ حسنہ کا دوسرا پہلو اجتماعی ہے۔ جس میں دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں آپ کبھی حرم کعبہ میں قریش کے مجمع کو دعوت حق دے رہے ہیں کبھی طائف کی گلیوں میں اعلائے کلمتہ الحق کے لئے پتھر کھاتے نظر آتے ہیں کبھی شعب ابی طالب میں محصور کر دیئے جاتے ہیں اور کبھی دار ارقم میں اپنے غلاموں کے نفوس تزکیہ اور قلوب کا تصفیہ کرتے اور کلام پاک کے ذریعے تربیت کرتے نظر آتے ہیں۔

كما ارسلنا فيكم رسولا منكم يتلوا عليكم ايتنا ويزكيكم ويعلمكم الكتب والحكمته ويعلملكم مالم تكونو تعلمون ○

تیسرے دور کا آغاز ہجرت مدینہ کے بعد شروع ہوتا ہے جس میں آپ نے طاغوتی طاقتوں کو چیلنج کر دیا اور دینی تحریک علاقائی اور قومی حدوں کو عبور کر کے بین القوامی سرحدوں میں داخل ہو گئی۔ قتال و جدال کا صبر آزما دور شروع ہوا مخالفتوں اور مزاحمتوں کے طوفان اٹھ کھڑے ہوئے۔ بدر کے میدان میں کبھی مجاہدوں کو صف آرا کرتے ہیں کبھی سجدے میں گر کر اللہ تعالیٰ سے راز و نیاز

میں محو نظر آتے ہیں، کبھی میدان احد میں اللہ کے دشمنوں کے مقابل ہوتے، کبھی جنگ احزاب کے موقع پر خندق کھودتے نظر آتے ہیں کسی طرف کوئی سریا بھیجتے ہیں کسی جنگ میں خود تشریف فرما ہوتے ہیں۔ آپ کی پاک زندگی کے مدنی دور کے دس سالوں میں تراسی جنگیں لڑیں گئیں جن میں بیشتر میں آپ ﷺ بنفس نفیس شریک ہوئے اور زخم بھی کھائے لیکن قرآنی ہدایت کے تحت جدوجہد جاری رکھی اور زمانے کے طوفان پر تسلط پا کر تاریخ کی قوتوں کو اپنے قابو میں لے آئے۔ مقاصد کی نئی دنیا تعمیر کی اور تمام دنیائے انسانیت میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ دین حق کو ہمہ پہلو قائم کر کے سب مروجہ باطل فاسقانہ ظالمانہ اور استحصالی نظاموں پر غالب کر کے انسانیت کو ایک نیا فرحت و زندگی بخش قالب عطا فرمایا۔ آپ ﷺ کے پیغام کے روح سے جس قسم کی تہذیب اور ثقافت ابھر کر سامنے آئی زمانے نے اس سے پہلے کبھی نہ دیکھی۔ پہلی دفعہ دنیا کو انسانی بنیادی حقوق اور عدل اجتماعی سے روشناس کرایا اور جزیرۃ العرب کو امن سے بھر دیا دنیا کو ایک قابل عمل ضابطہ حیات عطا فرمایا یہی منشاء خداوندی اور مقصد بعثت نبی مکرم ﷺ تھا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو یہ سرٹیفکیٹ عطا فرمایا الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی (آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی)

امت کے زوال کا اہم سبب

بہت سے دیگر اسباب کے علاوہ امت مسلمہ کا زوال اور زبوں حالی کا اہم سبب مقصد حیات کی فراموشی ہے۔ جب تک امت نے مقصد حیات نگاہ کے سامنے رکھا اور اس کے حصول کے اصولوں کو دل و جان سے عزیز جانا انسانیت کی امامت پر مامور رہی جونہی نصب العین نگاہوں سے اوجل ہوا امت مرحومہ اسفل سافلین کے گہرے گڑھے میں جا گری۔ جو جماعت ایک لمحہ کے لئے بھی یہ برداشت نہیں کر سکتی تھی کہ کوئی ایسا نظام اس پر مسلط ہو جو اس کے محبوب اصولوں پر مبنی نہ ہو اگر سوء اتفاق سے کبھی کسی جگہ ایسا ہو گیا تو جماعت کا ہر فرد ماہی بے آب کی طرح بے قرار رہتا اور باطل نظام کے خلاف سراپا احتجاج بن جاتا اور یہ اضطراب اسی وقت سکون میں بدلتا جب باطل نظام کی دھجیاں بکھیر دی جاتیں۔ اس کے برعکس اب ہماری یہ حالت ہے کہ باطل نظام کے خلاف احتجاج اور اضطراب تو ایک طرف ہم نے تو تعاون و مداہنت کی حدیں پھلانگ کر باطل نظام کی غلامی

کا ذوق اپنے اندر پیدا کر لیا اور ہم یہ بالکل فراموش کر چکے کہ پونجی لٹ چکی یہ احساس ہی ختم ہو گیا ہے۔ وائے! کہ احساس زیاں جاتا رہا۔ کبھی بھولے سے بھی اس طرف کی جدوجہد کی جائے جو قرآن اور سنت نے عطا فرمائے ہیں۔ اگر کسی گوشے سے اس طرح کی کوئی آواز بلند ہو جاتی ہے تو ہمارا دین دار طبقہ طعن، تشنیع اور اختلاف و عناد کے تیر برسانے شروع کر دیتا ہے۔ ہائے ہائے! قافلہ لٹ گیا ہے دین کی نیم مردہ لاش کے اعضاء کو کشمیر، ہندوستان، برما، تھائی لینڈ، چیچنیا، بوسینا، فلسطین، لبنان اور پتہ نہیں کہاں کہاں گدھ نوچ رہے ہیں اور ہمارے صالحین ہنوز الہیات و تاویلات میں الجھے ہوئے ہیں اور عوام الناس خرافات میں پھنسے ہوئے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ ہمارے بعض صوفیا کو باطل کے گماشتوں کے طرف سے روحانی طور پر ٹھنڈی ہوا (گرین سگنل) کے جھونکے محسوس ہوتے ہیں لہذا ہم نے دانستہ یا نادانستہ طور پر اللہ تعالیٰ کے تیسرے حکم اور نبی پاک ﷺ کے اسوہ حسنہ کے تیسرے پہلو یعنی دین حق کو باطل نظام ہائے زندگی پر غالب کرنے کو کما حقہ نظرانداز کر دیا ہے حالانکہ اسوہ رسول ﷺ کا تیسرا پہلو جو پہلے بیان ہوا ہے شاہد ہے کہ اس کے بغیر نہ دین قائم ہوتا ہے اور نہ قائم رہتا ہے۔ شاید یہ حصہ حضرت امام مہدیؒ کے لئے چھوڑ رکھا ہے۔ اصل میں دیکھا جائے تو پہلے دونوں عمل یعنی نجی عبادات و مجاہدات اور دعوت و تبلیغ تیسرے عمل یعنی اقامت دین کے لئے تمہید اور زاد راہ کے حصول کا درجہ رکھتے ہیں اگر تیسرے مرحلے میں داخل ہو کر اقامت دین کا فریضہ ادا نہ کیا جائے تو پھر پہلے دونوں اعمال کے ضائع ہونے کا بھی خطرہ ہے۔ جیسے قرآن پاک میں فرمایا گیا یایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالکم "اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول پاک ﷺ کی اطاعت کرو اور اپنے عمل ضائع مت کرو" اب یہ خطاب مومنین سے ہے جو مومن ہی اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی اطاعت سے ہوئے ہیں تو پھر اب کونسی اطاعت کا ذکر ہو رہا ہے؟ یہ اسی تیسرے حکم جس میں جان اور مال دونوں کا خطرہ ہے یعنی قاتلوا فی سبیل اللہ وقاتلوھم حتی لا تکون فتنتہ ویکون الدین للہ کا ذکر ہے "یعنی اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کا حکم ہے کہ باطل کو مٹا کر حق کا بول بالا کر دو کیونکہ اسی لئے تمہیں تیار کیا گیا ہے اگر ایسا نہیں کرو گے تو تیاری پر تو نے جو جو محنت کی ہے وہ باطل ہو جائے گی۔ گویا یوں سمجھیں کہ دین حق یا دین اسلام کی اقامت کا مطلب ایک عالیشان سلامتی کا محل بنانا ہے کہ جو اس میں داخل ہو

جائے امن و سلامتی پا جائے۔ تو محل کی تیاری میں سب سے پہلے بنیاد کا مرحلہ آتا ہے بنیاد جتنی مضبوط ہو گی محل اتنا ہی دیرپا ثابت ہو گا۔ شرعی تکلیفات یعنی نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ' ذکر و فکر سے جو تقویٰ اور تزکیہ کی قوت پیدا ہوتی ہے وہ بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ بنیاد چونکہ زمین کے اندر چھپی رہتی ہے اسی طرح تقویٰ' تزکیہ پوشیدہ قلبی صفات ہیں۔ گو بنیاد اولیٰ ہے اس کے بغیر عمارت کا بننا محال ہے مگر یہ کہاں کی حکمت ہے کہ بنیاد ہی کو ساری عمر مضبوط کرتے رہیں اس پر ستون نہ کھڑے کریں۔ دعوت و تبلیغ گویا محل کے ستون ہیں اب اگر ستون بنا کر ان پر چھت نہ ڈالی جائے تو کیا عمارت مکمل ہو جائے گی۔ زمانے کے طوفان (باطل کے جھگڑے) ان ستونوں کو اکھاڑ نہ پھینکیں گے؟ اس طرح ساری محنت جو بنیادوں اور ستونوں پر کی گئی ضائع نہیں ہو جائے گی؟ للہذا عمارت کو مکمل کرنے کے لئے اس پر چھت ڈالنا ضروری ہے اس سے عمارت بھی نقصان سے محفوظ ہو جائے گی اور جو اس میں پناہ لے گا وہ بھی امن میں رہے گا للہذا ملک و معاشرے کی بھاگ دوڑ یا قوت نافذہ اللہ اور رسول کے عطا کردہ اصولوں کے حامل مردان حر کے ہاتھوں جس دنیا میں جو دین کو ہمہ پہلو نافذ کرنے کے اہل ہوں سلامتی کے محل پر چھت ڈالنے کے مترادف ہے۔

گذشتہ ساری بحثوں کا لب لباب یہ ہے کہ جب تک دین حق کو اپنی اصلی صورت میں قائم نہیں کر دیا جاتا ساری امت مجرم ہے جو جتنا صاحب اختیار ہو گا اتنا ہی بڑا مجرم ہو گا۔ دین دار طبقے کے انفرادی اعمال یعنی نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ کی پابندی ذکر و فکر' اعتکاف و چلہ و مراقبات کا اہتمام اور جھوٹ فریب' غیبت و چغلخوری' کبر و غرور' شرک و ریا' ظلم و جور' رشوت و سود خوری' جوا و شراب نوشی' فتنہ فساد جیسے رزائل سے اجتناب کے بلند پایہ انفرادی نیک اعمال کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔ للہذا اس فرض کفایہ سے عہدہ براں ہونا ساری امت کی ذمہ داری ہے۔ ایک اکیلا شخص اس ذمہ داری کو نہیں نباہ سکتا۔ جب تک اس قسم کا درد رکھنے والے اس کا ساتھ نہ دیں۔ تاریخ پر نگاہ ڈالیں تو ایسی ایک بھی مثال نہیں ملتی کہ ایک شخص ایمان و اخلاص عمل صالح اور انتہائی روحانی ترقی کے باوجود اکیلا حق کو قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا ہو۔ ایسی مثال پیش کرنے سے تاریخ عاجز ہے لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اس عظیم کام کا آغاز ایک ہی شخص کرتا ہے جو مشکل ترین مرحلہ ہے اور پہاڑ کو ناخن سے کھودنے کے مترادف ہے۔ لیکن اللہ کے فضل سے

بحیثیت قوم یا امت یہ مرحلہ طے ہو گیا ہے اور غلبہ دین حق کے لئے بہت سے افراد نہیں بلکہ جماعتیں میدان عمل میں ہیں مگر کمی اس بات کی ہے کہ کوئی بھی جماعت جو اقامت دین کے فریضہ کی انجام دہی کے دعویدار ہے پوری امت مسلمہ یا کم از کم پاکستان کی حد تک پوری پاکستانی قوم کی نمائندہ جماعت ہونے میں ناکام رہی ہے۔ موجودہ حالات میں ضرورت اس امر کی ہے کہ دینی جماعتوں میں کم از کم اشتراک عمل کی حد تک ہی اتحاد ہو جائے جب تک یہ نہیں ہو گا غلبہ دین اور امت مسلمہ کے نشاۃ ثانیہ کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا قبلہ انصاری صاحبؒ نے بھی تعمیر ملت میں اتحاد ہی پر زور دیا ہے لہٰذا اس کے لئے سنجیدہ کوشش وقت کی اہم ضرورت ہے۔ تمام نفلی عبادات، مجاہدات، اعتکافات اور مراقبات سے زیادہ اس کام کی طرف توجہ کی ضرورت ہے تاکہ ساری پاکستانی قوم کی نمائندہ جماعت وجود میں آجائے اور اقتدار صالح ہاتھوں میں منتقل ہو کر اقامت دین کا مرحلہ آسانی سے طے ہو جائے کیونکہ مقتدر حضرات کے اخلاق عوام میں جلدی سرائت کرتے ہیں ویسے بھی یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ جس فکر کو قوت کا تعاون حاصل ہو وہ جلد پھلتا پھولتا ہے اور قوت اگر صالح فکر کے بغیر مجتمع ہو جائے تو چنگیزیت بن جاتی ہے اور اگر قوت صالح جماعت کے ہاتھوں قوت نافذہ نہ ہو تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ مکمل طور پر ادا نہیں ہو سکتا کیونکہ بغیر قوت نافذہ کے بغیر برائی کو زیادہ سے زیادہ دل سے برا جانا جا سکتا ہے جو تیسرے درجے کا ایمان ہے اور تھرڈ ڈویژن کو تو نہ ہی نوکری ملتی ہے اور نہ ہی داخلہ اور اشتہار کے نیچے لکھا ہوتا ہے "تھرڈ ڈویژن درخواست دینے کی زحمت نہ کریں"

لہٰذا اتحاد کی کوشش کوئی معمولی بات نہیں اگر بغور دیکھا جائے تو اس اتحاد میں ساری انسانیت کی اصلاح مضمر ہے اگر یہ کام ہو جائے تو دنیا یدخلون فی دین اللہ افواجا کا روح پرور منظر پھر دیکھ لے گی۔

گو آج باطل کی گرفت ہر طرف مضبوط ہے مگر اس صورت حال سے گھبرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ زمین بلکہ کائنات کا جائز وارث تو حق ہے اگر اس کے علمبرداروں کے سستی کاہلی کی وجہ سے باطل غاصبانہ قبضہ کر لیتا ہے تو یہ صورت حال غیر فطری ہے اس لئے جب بھی اصل وارث اپنی وراثت واپس لینے کا تہیہ کر لیتا ہے تو یہ صورت حال غیر فطری ہے اس لئے جب بھی اصل وارث

اپنی وراثت لینے کا تہیہ کر لیتا ہے اور میدان کار زار میں کود پڑتا ہے تو قدرت کاملہ اس کی مدد پر مستعد ہو جاتی ہے اور غاصب باطل بھاگ کھڑا ہوتا ہے اسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا ہے۔

جا الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا (حق آگیا اور باطل مٹ گیا بے شک باطل مٹنے ہی کے لئے ہے) مگر شرط وہی ہے کہ:-

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو خیال جس کو خود اپنی حالت بدلنے کا

(والعاقبته للمتقين)

آخر میں خلاصہ کلام یوں سمجھیں کہ:-

(ا)۔ پہلے جسم کی ریاست کو تزکیہ و تصفیہ کے تعاون سے غاصب نفس امارہ کے چنگل سے آزاد کروا کر اس پر روحانی قوتوں کا تسلط قائم کر دیا جائے (قد افلح من تزکی)

ہو صداقت کے لئے جس دل میں مرنے کی تڑپ
پہلے اپنے پیکر خاکی میں جاں پیدا کرے

(ب)۔ پھر دعوت و تبلیغ کے ذریعے مزکی لوگوں کی ایک جماعت بنائی جائے

(والله لنامرن باالمعروف ولتهون عن المنكر۔(الحدیث)

یا پھر پہلے سے موجود اس قسم کی موجود جماعت کے ساتھ مل کر اقامت دین کا کام لیا جائے (يايها الذين امنو تقوالله وكونوامع الصادقين)

(ج)۔ پھر وقت کے ابولہبوں' ابوجہلوں سے اللہ تعالیٰ کی زمین کو پاک کر کے صدیقیت و فاروقیت کے حامل افراد کے حوالے کیا جائے۔ اخلاص اور عمل کی ضرورت ہے نری خواہش سے کام نہیں بنتا۔ خواہش تو ہر مسلمان کی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ خلافت راشدہ کا سا دور پھر آ جائے۔ خواہش کو پختہ کر کے مصمم ارادے میں بدلنا چاہیئے جب ارادہ پختہ ہو جائے تو اسے عمل میں ڈھالنا چاہیئے نیت صاف ہو تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے وعد الله الذين امنو منكم وعملو الصالحات

لیتخلفنهم فی الارض کما ستخلف الذین من قبلهم ولیمکنن لهم دینهم اللذی ارتضی لهم ولیبدلنهم من بعد خوفهم امنا "اللہ نے وعدہ دیاان کو جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک اعمال کئے کہ ضرور انہیں زمین میں خلافت دے گا جیسی ان سے پہلوں کو دی اور ضرور ان کے لئے جما دے گا وہ دین جو ان کے لئے پسند فرمایا ہے اور ضرور ان کے اگلے خوف کو امن میں بدل دے گا۔

نقش	حق	اول	بجان	انداختن
باز	او	را	درجهان	انداختن
نقش	جان	تادر	جهاں	گردو	تمام
می	شود	دیدار	حق	دیدار	عام

دعا

گو عملی کوشش کئے بغیر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے شرم آتی ہے مگر اس کی بے پایاں رحمت کے سہارے اور رحمت اللعالمین ﷺ کے صدقے دعا کرتے ہیں کہ اے لطیف الخبیر اللہ تو بھیدوں کا جاننے والا ہے۔ دلوں کا حال تجھ پر خوب روشن ہے الٰہی تو اپنے علم میں غنی ہے اور مخلوق کا حال تجھ پر عین عیاں ہے۔ ہم مسلمانوں نے تیری نعمتوں کا کفران کیا شکر بجانہ لائے تو نے ہمیں قرآن جیسی زندہ کتاب عطا فرمائی ہم نے اسے آسانی سے مرنے اور مرنے کے بعد ایصال ثواب کے لئے تلاوت کرنے تک محدود کر دیا اس کی ہدایات پر عمل نہ کیا۔ چار دانگ عالم میں ذلیل ہو گئے۔ بے غیرت و بے ہمت ہو گئے۔ عزیمتوں سے گریز کیا۔ رخصوں کا سہارا لیا۔ ہم نے تیری بندگی چھوڑ دی اپنی نفسانی خواہشات حرص و ہوا اور شہوتوں کے بندے بن گئے تیرے عطا کردہ زندگی بخش قوانین سے اعراض کیا اپنی طبعیتوں کے غلام ہو گئے۔ ہم نے انصاف چھوڑ دیا آئین جانبانی بھول گئے۔ عقل خود بین سے رہنمائی حاصل کی اور عقل جہاں سے منہ موڑ لیا۔ ہم نے اسوہ حسنہ کی پیروی چھوڑ دی تو یہودی و نصاریٰ ہم پر مسلط ہو گئے۔ تو نے ہم پر رحم فرمایا ہمیں آزادی عطا فرمائی۔ شب قدر کا تحفہ ہمیں پاکستان کی صورت میں عطا فرمایا ہم نے اس نعمت کی پھر بے قدری کی اس ملک میں قرآن میں عطا کردہ قانون نافذ کرنے کا تجھ سے عہد کیا مگر ہم نے وعدہ وفانہ کیا۔ مولا

تعالیٰ تو نے ہمیں بار بار موقع دیا ہم نے اس سے فائدہ نہ اٹھایا تو نے ہمیں اپنا محبوب عطا فرمایا اور اپنے لطف و کرم سے اس پر جمع فرمایا مگر اب ہم نے اسی ذات کریم ﷺ کو وجہ نزاع بنایا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ مولا کریم ہم نے تیری نعمتوں کا کفران کیا ہم پر ظالم لٹیرے حکمران مسلط ہو گئے الٰہی تو ہربات سے آگاہ ہے تو عالم اور منصب ہے حاکم ہے تو کسی پر ظلم نہیں کرتا ہم ظالم ہیں اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں ہم تیری بارگاہ میں اپنے جرم کا اقرار کرتے ہیں۔ دنیا کی عدالتوں میں اقرار جرم میں سزا ملتی ہے مگر تیری عدالت کا قانون علیحدہ ہے جو اقرار کرتا ہے وہ پشیمان ہوتا ہے اسے معاف کردیا جاتا ہے۔ الٰہی ہم گناہ گار ہیں ہم سے بار بار بھول ہو جاتی ہے تو ہمیں معاف کردے ہم تجھ سے تیرے عدل کی نہیں تیرے فضل کی بھیک مانگتے ہیں بے شک تو عادل ہے مگر تو نے کبھی اس صفت کے ساتھ نہیں بلکہ فضل کی صفت کے ساتھ ہمیشہ اپنے آپ کو متعارف کرویا ہے (تو ذوالفضل و فضل تو عظیم است) ہم تجھ ہی سے فریاد کرتے ہیں تیری ہی طرف بھاگتے ہیں۔ سب پناہوں سے منہ موڑ کر صرف اور صرف تیری ہی پناہ مانگتے ہیں۔ الٰہی ہمیں اس پر استقامت نصیب فرما۔ مولا تیرے دربار میں ہم تیرے حبیب مصطفیٰ کریم ﷺ کو شفیع لاتے ہیں تو ہماری دعا قبول کر لے اور ہمیں معاف کردے۔

اے خاصہ خاصان رسل ﷺ وقت دعا ہے
تیری امت پر سخت وقت آن پڑا
مسلماں آں فقیر کج کلا ہے
رمید از سینہ او سوز آ ہے
دلش نالا چرانا لا اندانند
نگاہے یا رسول نگاہے
یا رسول اللہ انظر حالنا
یا رسول اللہ انظر حالنا

مولا تیرا رنگ سب سے اچھا اور پکا ہے اس میں ہمیں رنگ دے مولا اتنا رنگ دے اتنا رنگ دے کہ پھر ہمیں بھی رنگریز اور رنگ ساز بنادے رسول اللہ ﷺ کے اسوہ حسنہ کا رنگ ہر

پر چڑھادے صحابہ کا سارا کردار نصیب فرمادے' ہمیں باغیرت باحمیت مسلمان بنادے' سستی کاہلی سے نجات عطا فرمادے' ہمارے حکمرانوں کو خصوصاً" اور تمام مسلمانوں کو عموماً" صحیح اسلامی سوچ اور صحیح عمل کرنے کی توفیق عطا فرمادے۔ اپنی اور اپنے حبیب پاک کی پاکی سچی محبت عطا فرمادے ہمارے حکمرانوں کو صدیق اکبرؓ جیسی بصیرت و فراست' حضرت عثمان غنیؓ جیسا حلم اور شجاعت عطا فرما۔ ہمارے فقیروں کو حضرت ابوذرؓ جیسی قناعت و صداقت اور ہمارے امیروں کو حضرت عثمان غنیؓ جیسی سخاوت نصیب فرما۔ ساری امت مسلمہ کو متحد و متفق ہو کر دین اسلام کو جسے تو پسند کرتا ہے' سب باطل ادیان پر غالب کرنے کی توفیق عطا فرما۔ تو ہم سے تاریکیوں کے پردے اٹھادے اور اپنے لطف و کرم کے دروازے کھول دے۔ آمین ثم آمین

بستہ درہارا برویم باز کن
خاک رابا قدسیاں ہمراز کن

آتشے برسینہ مابر افروز
عود را بگزر و ہیزم رابسوز

آ نیم جاودانی کن مرا
از زمینی آسمانی کن مرا

ضبط در گفتار و کردارے بدہ
جادذہ ہا پیدا است رفتار رے بدہ

آمین ثم آمین

انسان کامل ﷺ

عبدالقیوم ہاشمی

(یہ مضمون ولادت رسول ﷺ کی مناسبت سے شائع کیا جارہا ہے)

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

اللہ تعالیٰ کی ذات کریم نے بحیثیت خالق اپنی پہچان کی خاطر مخلوقات کو پیدا فرمایا۔ اگرچہ اللہ کی تمام مخلوقات انسان کو اللہ کی ذات و صفات کو جاننے اور پہچاننے میں معاون ثابت ہوئی ہیں لیکن جس مخلوق کی تخلیق پہ اللہ تعالیٰ نے فخر و ناز فرمایا وہ حضرت انسان ہے لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم (التین 4) "ہم نے انسان کو بہترین صورت میں بنایا"۔

اور اس کائنات رنگ و بو کو انسان کی آزمائش گاہ مقرر فرمایا۔ انسان جسم و روح سے مرکب ہے۔ کائنات کی تمام قوتیں انسان کی صحت و بحالی کے لئے صرف ہو رہی ہیں۔ بلکہ ان گنت ایسی نعمتیں بھی عطا فرمائیں جو ابھی تک انسانی دسترس سے دور ہیں۔ مطلب یہ کہ جس قدر انسانی جسم کی ضرورتیں تھیں اس سے کئی گنا بڑھکر نعمتیں عطا فرمائیں یعنی عدل کی بجائے فضل کیا گیا۔ جس پروردگار نے انسان کی مادی ضروریات کا اتنا زیادہ انتظام کر رکھا ہے اس کی شان ربوبیت انسان کی اخلاقی و روحانی ضروریات کیسے نظرانداز فرما سکتی تھی؟ چنانچہ اس ضمن میں بھی اللہ تعالیٰ نے عدل کی بجائے فضل و احسان ہی فرمایا یعنی ارواح انسانیت کی پیاس بجھانے کے لئے اللہ رحیم و کریم نے "بحر نبوت" کو جاری فرمایا۔

نبوت ہر شخص ذاتی محنت و کاوش سے حاصل نہیں کر سکتا بلکہ اس منصب پہ تعیناتی اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں۔ اسی انتخاب ربانی کو قرآن کریم میں "اصطفا" کے لفظ سے بیان کیا گیا ہے، یعنی بہت سی چیزوں میں سے بہترین چیز کو چن لینا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کی ذات انسان کی فطری صلاحیتوں کے نمودار ہونے سے قبل ہی جانتی ہے کہ حق نبوت کون درست ادا کر سکتا ہے۔ مخالفین کے ایسے ہی اعتراضات کو قرآن کریم ان الفاظ میں رد فرماتا ہے۔ "اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ اسے اپنی پیغمبری کس کے سپرد کرنی چاہیے" (الانعام۔125)

چنانچہ انتخاب الٰہی کے مطابق دنیائے انسانیت سے لگ بھگ سوا لاکھ مطہر نفوس انبیاء کے عہدے پر فائز ہوئے۔ ان انبیاء میں سے سب سے بزرگ و محترم خاتم النبین حضرت محمد ﷺ ہیں۔ اگرچہ اب منصب نبوت کا باب بند ہو چکا ہے مگر مقام نبوت (مقام عبدیت) ہر انسان کا نصب العین ہے۔ یہاں منصب نبوت اور مقام نبوت سے متعلقہ ایک غلط فہمی کا ازالہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ عموماً کچھ ناقد اقبالؒ کے اشعار سے بھی یہی بات اخذ کرتے ہیں کہ گویا اقبالؒ مومن اور نبی کی شان میں امتیاز نہیں کرتے مثلاً (آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا) یا (طور تو موجود ہے تم میں کوئی موسیٰ ہی نہیں)۔ دراصل ان اشعار سے مراد انبیاء کی سیرت کی پیروی کرنا اور مقام عبدیت کے حصول کی ترغیب دینا ہے تا کہ ہر انسان کو کسی طور پہ نبی بنا دینا متصور کیا جائے۔ حضرت بایزید بسطامیؒ تو ہر مسلمان اور مومن کا نصب العین ہی معراج النبی ﷺ کو ٹھہراتے ہیں۔ دراصل ان بزرگوں کے اشعار و اقوال کا مطلب یہ ہے کہ نبی کی دو جہتوں یعنی منصب رسالت اور مقام رسالت میں سے صرف مقام رسالت (مقام عبدیت) کا حصول ہر انسان اپنی اپنی استطاعت کے مطابق حاصل کر سکتا ہے۔ منصب رسالت تو آنحضور ﷺ کی بعثت پر ختم ہو چکا۔

آنحضور ﷺ کی بعثت سے قیامت تک پوری انسانیت کی رشد و ہدایت کا منبہ آپ ﷺ کی ذات ہے۔ آپ ﷺ کو اللہ کریم نے قرآن حکیم میں بڑے پیار سے "سراج منیرا" یعنی "دائمی چمکنے والا چراغ" کے نام سے یاد فرمایا ہے۔ اس میں یہ حقیقت بھی پوشیدہ ہے کہ قیامت کے بعد بھی انسانیت آپکے نور سے فائدہ اٹھائے گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب ہر انسان کو اللہ کی ہدایت، قرب، محبت اور اپنی روح کی غذا یا تکمیل شخصیت کے لئے آنحضور ﷺ کی سیرت کا نور حاصل کرنا ہو گا۔ یہ محض کسی انسان کی سوچ نہیں بلکہ حکم باری تعالیٰ ہے۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ

"(اے حبیب ﷺ) فرما دیجئے کہ اگر تمہیں محبت الٰہی کا دعویٰ ہے تو آؤ میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت فرمائیگا"

تمام انبیاء پہ جتنے جھوٹے الزامات عائد ہوئے ان کا رد انہوں نے خود ہی کیا جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لوگوں نے خدا کا بیٹا کہا تو آپ علیہ السلام نے خود ہی فرمایا

انی عبداللہ (مریم-30) "میں (تو فقط) اللہ کا بندہ ہوں"

نبی کریم ﷺ کے اخلاق حمیدہ کی رفعت و شان دیکھئے کہ کفار کی طعنہ زنی کا جواب نبی کریم ﷺ نہیں دے رہے بلکہ اس موقع پہ قرآن کریم کا اسلوب بیان بدل جاتا ہے یعنی رب تعالیٰ کفار کی تہمتوں کا جواب خود بیان فرما رہے ہیں۔ مثلاً جب نبی کریم ﷺ کی اولاد نرینہ کی وفات ہوئی تو کفار نے آپ کو (نعوذ باللہ) ابتر یعنی "دم کٹا" یا بے نسل ہونے کا طعنہ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے جواباً فرمایا

ان شانئک ھو الابتر (کوثر۔3) "بے شک آپ کا دشمن ہی دم کٹا ہے"

جب کفار نے آپ ﷺ کو مجنوں اور دیوانہ کہا تو اللہ رب عزت فرماتے ہیں۔

ماانت بنعمہ ربک بمجنون (قلم۔2) "اور نہیں ہیں آپ اللہ کے فضل سے مجنوں"

جب آپ ﷺ نے کوہ صفا کے دامن میں قریش کو بلا کر دعوت حق دی تو ابولہب نے آپ ﷺ کی جانب ہاتھ جھٹک کر گستاخانہ کلمات کہے تو اللہ نے جواباً فرمایا تبت یدا ابی لھب و تب "ٹوٹیں ہاتھ ابولہب کے اور نیست و نابود ہو وہ خود"

عرفان الٰہی، عرفان نفس اور تسخیر کائنات کا حصول دراصل ہر انسان کی تخلیق کا مقصد ہے۔ اتباع رسول ﷺ سے انسانیت اپنے مذکورہ بالا تینوں مقاصد حاصل کر سکتی ہے۔ آپ ﷺ کی بعثت سے قبل انسانیت ان مقاصد سے غافل ہو چکی تھی۔ آپ کی بعثت اس علاقے میں ہوئی جہاں سینکڑوں برس سے انبیاء کی تشریف آوری نہ ہوئی تھی۔ جس کی وجہ سے یہ خطہ اخلاقی و روحانی لحاظ سے بالکل بنجر ہو چکا تھا۔

شرک و بت پرستی، دختر کشی، قتل، غارت، رشتوں کی پامالی، قبائلی عصبیت اور جس پرستی اپنے عروج پر تھی۔ توحید خالص کا تصور معدوم ہو چکا تھا۔ ایسے میں آپ ﷺ کی آمد نہ صرف اس دور اور علاقے کے لئے بہار بن کر آئی بلکہ آپ ﷺ پوری دنیا اور انسانیت کے لئے ہادی و مرشد، رحمتہ اللعالمین اور نذیر و بشیر بن کر آئے۔ آپ ﷺ نے وحشی انسانیت کو مہذب اور مودب بنا دیا جو لوگ ہر وقت لڑتے جھگڑتے تھے آپ ﷺ کے اخلاق و روحانیت سے بھائی بھائی بن گئے۔ عورت جسے منحوس تصور کیا جاتا تھا عفت و پاکیزگی کا پیکر قرار پائی۔ الغرض ایک انقلاب تھا جو انسانی مزاج میں پیدا ہوا۔ یہ آپ ﷺ کی الہامی تعلیمات کا ہی فیضان ہے کہ اس وقت آدھی دنیا مسلم آبادی پر مشتمل ہے۔ اور دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں جہاں آپ کے جانثار موجود نہ ہوں۔

آپ ﷺ کی ذات تمام انبیاء کی صفات کی جامع ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی زندگی کفر و الحاد کے خلاف بیزاری اور جہاد کا درس دیتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات بت شکنی کا نظارہ پیش کرتی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی سیرت جاہ و جلال اور کفار سے جنگ و جہاد کا منظر پیش کرتی ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی زندگی صبر و شکر کا نمونہ ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام کی سیرت اعتراف ندامت کی مثال ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی حیات گریہ وزاری اور حمد باری تعالیٰ کا نمونہ ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی عفو' قناعت اور محبت کی تعلیم دیتی ہے لیکن آنحضور ﷺ کی سیرت مقدسہ کو دیکھیں تو اس میں تمام انبیاء کی سیرتیں اور صفات سمٹ کر سما گئی ہیں۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
انچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

یہ آپ کی بے مثل سیرت اور اخلاق ہی تھا جس پہ مخالف بھی حرف زنی نہ کر سکے۔ آپ ﷺ کا سب سے بڑا دشمن ابو جہل کہا کرتا تھا "محمد ﷺ! میں تم کو جھوٹا نہیں کہتا البتہ تم جو کچھ کہتے ہو اور سمجھاتے ہو اس کو صحیح نہیں سمجھتا" (ترمذی)

آپ کا اخلاق دراصل تخلقو باخلاق اللہ (اپنے اندر اللہ جیسے اوصاف پیدا کرو) کی عملی شکل تھی۔ آپ کا اخلاق ہر قسم کے چھوٹے بڑے نقائص سے پاک تھا۔ اگر کہیں اخلاق محمدی ﷺ میں ذرا سی بھی کوتاہی کا احتمال پیدا ہوتا تو فوراً وحی الٰہی سے اصلاح اخلاق کر دی جاتی جیسے ایک مرتبہ گروہ قریش کو تبلیغ اسلام کرتے ہوئے آپ ﷺ نے ایک نابینا صحابی ام مکتومؓ کو مصلحتاً نظر انداز فرمایا تو اللہ کو یہ ادا پسند نہ آئی اور فوراً وحی نازل فرمائی۔

عبس و تولی...................... (آیات 1-12 سورہ عبس)

ترجمہ:- تیوری چڑھائی اور منہ موڑا اس لئے کہ آیا ایک اندھا اور آپ کو کیا خبر کہ شاید وہ سنورتا یا سوچتا تو کام آتا اس کے سمجھانا۔ وہ جو پرواہ نہیں کرتے سو آپ ان کی فکر میں ہیں اور آپ پر کچھ الزام نہیں کہ وہ درست نہ ہوں اور وہ جو آیا آپکے پاس دوڑتا اور وہ ڈرتا ہے سو آپ اس سے تغافل کرتے ہیں۔ یوں نہیں یہ تو نصیحت ہے جو کوئی چاہے پڑھ (حاصل کر) لے"

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ آنحضور ﷺ کے اخلاق کریمہ میں ہلکی سی بھی کمی کو

اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے دور فرما دیا اسی لئے حضرت عائشہ ؓ نے آپ کے اخلاق کو قرآن کے مشابہ قرار دیا اور پھر اللہ نے آپ کے تکمیل اخلاق اور کمال اخلاق کی مدح ان الفاظ میں فرمائی

وانک لعلی خلق عظیم (قلم)

"بے شک (اب) آپ کا اخلاق (ہر لحاظ سے) عظیم تر ہے"

آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد اخلاق کی تکمیل ہے ارشاد ہوا ہے کہ "مجھ کو تو بھیجا ہی اخلاق کی تکمیل کے لئے گیا ہے" آپ ﷺ کے اخلاق و سیرت کی پیروی ہر انسان پہ فرض ہے آپکے اخلاق کی پیروی تو کی جاسکتی ہے مگر آپکے اخلاقی مقام کو پانا کسی کے بس کی بات نہیں۔ درست ہی تو کہا ہے فرانس کے مفکر لامارٹن (Lamartine) نے "فلاسفر، مبلغ، پیغمبر، قانون ساز، جرنیل، فاتح، شارع، بت شکن بیس ظاہری اور ایک روحانی سلطنتوں کا بانی یہ ہے محمد ﷺ۔ انسانی عظمت کو ہر معیار پر اسے پرکھ لینے کے بعد ہم دنیا سے سوال کرتے ہیں کہ آیا کوئی اس سے عظیم انسان ہو سکتا ہے" (اللھم صلی علی محمد واله)

آپ کے اخلاق اس قدر بلند و بالا تھے کہ دوست، رشتہ دار، اہل بیت آپ سے بے پناہ محبت رکھتے تھے باسورتھ اسمتھ اپنی کتاب "لائف آف محمد ﷺ" میں لکھتا ہے کہ والٹیر کا یہ مشہور قول کہ

"Nomanisaherotohisvalet"

یعنی "کوئی آدمی اپنے گھر کا ہیرو نہیں ہو سکتا"

کا اطلاق آپ ﷺ کی ذات کے متعلق درست نہیں ہے کیونکہ آپ جس قدر بیرون خانہ ہر دلعزیز تھے اس سے بڑھ کر گھر میں تھے۔ بیوی سے بڑھ کر انسان کی اخلاقی کمزوریوں کو کوئی نہیں جانتا مگر آپ ﷺ کی نبوت کی صداقت کا اعلان محترمہ خدیجہ ؓ ہی فرماتی ہیں۔ تاریخ انسانی نبی کریم ﷺ کے سوا کسی بھی انسان کی مکمل بائیوگرافی حاصل کرنے سے قاصر ہے اسی بات کو باسورتھ اسمتھ صاحب تسلیم کرتے ہیں کہتے ہیں۔

"شخصیت کی تاریک گہرائیاں در حقیقت ہیں اور ہماری پہنچ کے خط سے باہر وہ ہمیشہ رہیں

گی لیکن ہم محمد ﷺ کی بیرونی تاریخ کی ہر چیز جانتے ہیں۔ ان کی جوانی ان کا ظہور' ان کے تعلقات' ان کی عادات' ان کا پہلا تخیل اور تدریجی ترقی ان کی عظیم الشان وحی کا نوبت بہ نوبت آنا اور ان کی اندرونی تاریخ کے لئے اس کے بعد کہ ان کے مشن کا اعلان کیا جا چکا"

الغرض آپ ﷺ کی ہی وہ ذات ہے جن کی سیرت و اخلاق تمام بنی نوع انسان کے لئے رہنمائی اور رہبری کرتی ہے۔ آج مسلم امہ پہ جو برا وقت آیا ہے اس کی وجہ صرف اور صرف اتباع رسول ﷺ سے روگردانی ہے ہم نے نفسانی خواہشات کو اپنا امام بنالیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ اور رسول کو تو کیا جانیں گے خود کو ہی فراموش کر چکے ہیں۔ اتباع رسول ﷺ صرف نماز' روزہ اور ڈاڑھی تک ہی محدود نہیں بلکہ اس کا دائرہ ان حدوں تک ہے جن امور کو نبی کریم ﷺ نے کیا وہ کیا جائے جن سے منع فرمایا انہیں چھوڑ دیا جائے خواہ بظاہر اس میں مال و جان کا ضیاع ہی کیوں نہ ہوتا ہو۔ اتباع رسول یہ ہے کہ ان تمام عبادات و معاملات کی ادائیگی بھی ہو اور سینے میں عشق الٰہی اور حب رسول ﷺ کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر بھی بہہ رہا ہو۔ جب امت نبی کریم ﷺ کی قرآن و سنت کے مطابق پیروی نہیں کرتی تو بدعات کو فروغ ملتا ہے اور سنت نبوی پس پردہ چلی جاتی ہے۔ رسومات دین کی حیثیت اختیار کرلیتی ہیں اور پوری اسلامی سوسائٹی فرقہ بندی اور ذہنی انتشار کا شکار ہو جاتی ہے۔ حب رسول ﷺ مسلمانوں کے دلوں سے نکل جاتا ہے اور پیغام رسول ﷺ کی حقیقت سمجھ سے بالا تر ہو جاتی ہے۔ جب صورت حال ایسی ہو تو بزبان اقبالؒ یہ کہنا پڑتا ہے۔

قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغام محمد ﷺ کا تمہیں پاس نہیں

انسانی قلب خالی برتن کی مانند ہے اور آپ جانتے ہیں کہ cannot be sustained Vaccume تو اگر قلب کو عشق الٰہی اور حب رسول ﷺ سے خالی رکھیں گے تو اس میں غیر اخلاقی رذائل و خصائل اپنا قبضہ جمائیں گے پھر بغض' حسد' گالی گلوچ' نفرت' ظلم' کینہ' چغلی' تعصب' نفرت اور دیگر ایسی ہی خصلتوں کا انسان سے صادر ہونا بدیہی عمل ہے۔ اور اگر اتباع نبوی سے قلب عشق الٰہی اور حب رسول ﷺ سے مزین ہو گا تو محبت' احسان' قربانی' عفو' عدل' صداقت' حلم جیسی پاکیزہ صفات پیدا ہوں گیں اور انسان اللہ کی محبت اور نبی کریم ﷺ کے اتباع

میں ایک نیک اور صالح معاشرہ کی تشکیل کرے گا۔

جب تک سینوں میں عشق الٰہی اور حب رسول ﷺ پیدا نہ ہو گا تعمیر امت کا کام نامکمل ہی رہے گا کیونکہ محض ظاہر کو سنوارنے سے بات نہیں بنتی۔ باہر سے رنگ و روغن کرنے سے عمارت پائیدار نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ بنیادیں درست نہ ہوں لہٰذا پہلا کام یہ ہے کہ بنیاد کو مضبوط سے مضبوط تر کر دیا جائے۔ الحمد للہ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی بنیاد اسی سوچ اور فکر پر رکھی گئی ہے۔ اصلاح اخلاق کے لئے محبت اور صداقت کو اپنانے اور غصہ اور نفرت کو چھوڑنے کی تلقین کی جاتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ ہر وقت اللہ کی یاد دل میں بسانے کے لئے پاس انفاس (دل میں سانسوں سے مطابقت پیدا کر کے لفظ "اللہ" کا ذکر سکھایا جاتا ہے) اور 15، 20 منٹ کے لئے ہر روز نفی اثبات (لا الہ الا اللہ) کے ذکر کی مشق کروائی جاتی ہے تاکہ اللہ کی محبت جسم کے روئیں روئیں میں سما جائے۔ مرشد کامل کی صحبت ایسے میں جادو کا سا اثر دکھاتی ہے۔ صحابہ میں اخلاق کی پاکیزگی اور قرب الٰہی کا سبب ذکر باری تعالیٰ اور صحبت رسول ﷺ ہی تھی۔ یقیناً اس طرح اخلاق میں پاکیزگی پیدا ہوتی ہے۔ روح گناہوں کی کثافت سے نکل کر نیکیوں کی لطافت کی جانب بڑھتی ہے۔ تعصب اور فرقہ بندی سے نجات مل جاتی ہے۔ اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت میں لطف آنے لگتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اللہ اور نبی کریم ﷺ کی محبت میں اضافہ ہونے لگتا ہے پھر وہ خود ہی سیرت رسول ﷺ کو محبت سے اختیار کرتا ہے اور تخلقوا باخلاق اللہ کی عملی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ خلاصہ مضمون یہ ہے کہ ہم سب کو فی الفور خود ساختہ عقائد کو چھوڑ کر قرآن و سنت کے مطابق نبی پاک ﷺ کی پیروی کرنی چاہیے صرف اسی سے "تعمیر ملت" کا خواب شرمندہ تعبیر ہو سکتا ہے۔

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمد ﷺ سے اجالا کر دے

(آمین)

حضرت امام جعفر صادقؑ (ایک عظیم سائنسدان)

اعجاز احمد مغل

امراض کے پھیلاؤ کے اسباب

حضرت امام جعفر صادقؑ کے وہ نظریات جو ان کی علمی اکملیت کا ثبوت فراہم کرتے ہیں ان میں سے ایک امراض کا روشنیوں کے ذریعے منتقل ہونا ہے۔

حضرت امام صاحبؑ فرماتے ہیں "بعض شعاعیں ایسی ہیں جو اگر ایک بیمار شخص سے ایک تندرست شخص پر پڑیں تو ممکن ہے کہ وہ تندرست کو بیمار کردیں"۔

یہاں پر ایک بات کو مدنظر رکھیں کہ آب و ہوا کی گفتگو نہیں ہو رہی ہے بلکہ شعاع کے متعلق بات ہو رہی ہے وہ بھی تمام شعاعوں کے بارے میں نہیں بلکہ صرف چند اقسام کی شعاعوں کے بارنے میں جو اگر ایک بیمار انسان سے ایک تندرست انسان پر پڑیں تو ممکن ہے اسے بیمار کر دیں۔

بیکٹیریا یا وائرس کے وجود کی شناخت سے قبل یہ خیال تھا کہ بیماریوں کے منتقل ہونے کا سبب SMELL ہے اور قدیم ادوار میں بیماریوں کو پھیلنے سے روکنے کے لئے تمام اقدامات (SMELL) بو کے روکنے کے ذریعے انجام پاتے تھے تاکہ بیمار شخص کی بیماری بو کے ذریعے ایک تندرست شخص تک نہ پہنچ پائے اور اسے بیمار نہ کردے۔

کسی نے کبھی بھی یہ نہیں کہا کہ بعض شعاعیں ایسی ہیں جو اگر بیمار شخص سے تندرست شخص پر پڑیں تو اسے بیمار کر دیتی ہیں، صرف امام جعفر صادقؑ ہی وہ صاحب علم ہیں جنھوں نے یہ نظریہ پیش کیا۔ اب جدید علمی تحقیقات نے ثابت کر دیا ہے کہ یہ نظریہ حقیقی ہے کہ اگر بعض شعاعیں ایک بیمار شخص سے ایک تندرست انسان تک پہنچیں تو اسے بیمار کر دیتی ہیں۔ روس میں پہلی مرتبہ اس حقیقت کا کھوج لگایا گیا۔ سائبیریا روس کے ایک بڑے صنعتی اور علمی مرکز "نوو دو سائبرسک" میں یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ پہلے بیمار شخص کے خلیات سے شعائیں نکلتی ہیں اور پھر جونہی یہ شعائیں تندرست انسان پر پڑتی ہیں تو اسے بیمار کر دیتی ہیں۔ اگرچہ بیمار شخص کے

خلیات اور تندرست انسان کے خلیات کے درمیان معمولی سا رابطہ بھی نہ ہو اور نہ ہی بیمار شخص کے خلیات سے بیکٹیریا یا وائرس نکل کر تندرست انسان کے خلیات میں حلول کر گئے ہوں۔

روسی سائنسدانوں کی ریسرچ سے یہ نتیجہ نکلا کہ ہمارے بدن کے خلیات میں سے ہر ایک خلیہ شعاعیں خارج کرنے والا اور شعاعیں وصول کرنے والا ہے۔ اگر ایک صحت مند خلیہ ایک بیمار خلیے سے خارج ہونے والی شعاع کو وصول کر لے تو وہ صحت مند خلیہ بھی بیمار ہو جائے گا۔ اب متعدد بار تجربات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ اگر کچھ صحت مند خلیات TOXIN کے اثر سے بیمار ہو جائیں یا کسی اور بیماری کے وائرس کی وجہ سے ULTRA VIOLETRAYS خارج کریں تو یہ شعاعیں ان صحت مند خلیات میں بھی خرابی پیدا کر دیتی ہیں جن کا ان سے کسی قسم کا کوئی رابطہ نہیں ہوتا۔

اس علمی دریافت پر اس قدر تحقیق ہوئی ہے کہ اب اس کی صحت پر کوئی شک و شبہ نہیں ہو سکتا اور سائنسدانوں نے یہ نتیجہ اخذ کر لیا ہے کہ خلیات کا ایک گروہ اگر چند بیماریوں میں مبتلا ہو جائے تو ان میں سے ہر بیماری ایک مخصوص قسم کا فوٹان خارج کرتی ہے۔ سائنسدان اب ان PHOTONS کے جدول تیار کرنے میں مشغول ہیں جو بیمار خلیات مختلف قسم کی بیماریوں کی اقسام کی وجہ سے خارج کرتے ہیں۔ چونکہ بیکٹیریا اور TOXIN کے ذریعے پھیلنے والی بیماریاں کوئی ایک یا دو نہیں لہٰذا اس جدول کے تیار کرنے میں ایک عرصہ لگ سکتا ہے البتہ جدول کی تیاری کرنے کے دوران کئی بیماریوں کا علاج کیا جا سکتا ہے مثال کے طور پر جب یہ معلوم ہو جائے گا کہ انفلوائنزا کے وائرس سے بیمار ہونے والے خلیات کون سی شعاع خارج کرتے ہیں اور ان کی مقدار کتنی ہے یا اس کی سپیڈ کتنی ہے تو انفلوائنزا کے علاج و معالجے اور صحت مند خلیات کو بیمار ہونے سے روکنے کے سلسلے میں اقدامات کیے جا سکتے ہیں امریکہ میں بھی تحقیقات ہوئی ہیں اور جو نتائج حاصل ہوئے ہیں وہ روسی سائنسدانوں کے نتائج سے ملتے جلتے ہیں اور ان کی اشاعت امریکہ کے کئی ریسرچ میگزین میں ہو چکی ہے۔ اس موضوع پر امریکہ کے ایک ریسرچر ڈاکٹر جوہن روٹ نے ایک کتاب بھی تحریر کی ہے۔

یوں دوسری صدی ہجری کے پہلے پچاس سالوں کے دوران حضرت امام جعفر صادق کا پیش

کردہ نظریہ کہ روشنی میں بعض شعاعیں بیماریاں پھیلانے کا باعث بنتی ہیں جسے اس زمانے میں اور اس زمانے کے بعد غیر اہم خیال کیا جاتا رہا بالآخر حقیقت ثابت ہوا۔

یہاں ہم مسلمانوں کی فکر پر افسوس کرنے کے علاوہ کچھ نہیں کہہ سکتے کہ جنہوں نے حضرت امام جعفر صادقؒ سے انتہائی عقیدت مندی کے جذبات تو رکھے لیکن ان کے پیش کردہ نظریات پر غور و فکر نہیں کیا کہ نوع انسانی کی فلاح کا ایک دروازہ کھل جاتا۔ یہ کام غیر مسلموں نے کیا جو امام صاحب کے ساتھ مسلمانوں کی مانند عقیدت پرستانہ جذبات تو نہیں رکھتے لیکن ان کے علم کی قدر کرتے ہیں۔ علم کی قدر اس طرح ہی ممکن ہے کہ اسے حاصل کر کے اس کا استعمال کیا جائے۔ آج ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ ULTRA VOILET شعاعیں جب بیمار اجسام سے خارج ہو کر تندرست اجسام پر پڑتی ہیں تو انہیں بیمار کر دیتی ہیں جب کہ سورج سے خارج ہونے والی ULTRA VOILET شعاعیں اگر خلا میں جہاں ہوا موجود نہیں ہے اگر انسانی جسم پر پڑیں تو انہیں خاکستر کر ڈالیں۔

یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ متعدی بیماریاں جو کسی جگہ اچانک نمودار ہوتی ہیں کیا وہ شعاعوں کی بنا پر نمودار ہوتی ہیں؟ اس سوال پر بھی تحقیق ہو رہی ہے۔ یہ بات سامنے آئی ہے کہ ULTRA VOILET شعاعیں بیمار خلیات سے خارج ہونے کے بعد اردگرد پھیل جاتی ہیں اور اسی وجہ سے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جہاں متعدی بیماری کے وجود کا شائبہ تک نہیں ہوتا وہاں اچانک ایک آدمی اس وبائی بیماری کا شکار ہو جاتا ہے۔ روس اور امریکہ کے ماہرین جنہیں یقین ہے کہ بیماری' بیمار خلیات سے شعاعوں کے ذریعے صحت مند خلیات تک پہنچتی ہے سائنس داں اس بات پر غور کر رہے ہیں کہ روشنی کی حرارت کیونکر صحت مند خلیے میں بیماری کو جنم دیتی ہے۔

کائنات میں ہمارے سورج کی اہمیت

اب تک امام جعفر صادقؒ کے جو نظریات پیش کئے گئے ہیں امام صاحبؒ کے علمی کمال کی دلیل ہیں۔ حضرت امامؒ کے منجملہ نظریات میں سے ایک ستاروں کے بارے میں آپؒ کا نظریہ بھی ہے۔

آپؒ فرماتے ہیں۔

"جو ستارے ہم رات کو آسمان پر دیکھتے ہیں ان میں سے ایسے ستارے بھی ہیں جو اس قدر نورانی ہیں کہ سورج کی روشنی ان کے مقابلے میں ہیچ ہے"۔

یہ بات پیش نظر رہے کہ ستاروں کے متعلق بنی نوع انسان کی محدود معلومات حضرت امام جعفر صادقؑ اور ان کے بعد کے ادوار سے لے کر موجودہ صدی تک اس حقیقت کو سمجھنے میں رکاوٹ بنی رہیں۔ اس دور کے دانشوروں کا خیال تھا کہ جو کچھ امام صاحب نے ستاروں کی روشنی کے متعلق ارشاد فرمایا ہے وہ عقل سے بعید اور ناقابل قبول ہے اور یہ بات محال نظر آتی ہے کہ یہ چھوٹے چھوٹے نورانی نقطے جنہیں ستاروں کا نام دیا جاتا ہے اس قدر روشن ہونگے کہ سورج ان کے سامنے بے نور نظر آئے۔ آج جب کہ امام جعفر صادقؑ کے وصال کو ساڑھے بارہ سو سال کا عرصہ گزر چکا ہے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ جو کچھ حضرت امامؑ نے فرمایا بالکل درست ہے اور کائنات میں ایسے عظیم الشان ستارے لا تعدود تعداد میں موجود ہیں جن کی روشنی کے سامنے ہمارا سورج بے نور نظر آتا ہے۔

یہ روشن ستارے QUASARS کے نام سے موسوم ہیں۔ ان میں سے بعض کا ہماری زمین سے فاصلہ 9 ارب نوری سال ہے۔ بعض QUASARS کی روشنی ہمارے سورج کی روشنی سے دس ارب گنا زیادہ ہے۔ للہذا کسی مبالغہ آرائی کے بغیر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا سورج QUASARS کے مقابلے میں بجھا ہوا ایک چراغ ہے۔ 1962ء میں پہلا QUASARS دریافت ہوا اور اب تک ان ستاروں میں سے دو سو ستارے ماہرین فلکیات دریافت کر چکے ہیں۔ ہمارے سورج میں چوبیس گھنٹوں کے دوران جو روشنی پیدا ہوتی ہے وہ چار سو ارب ٹن ہائیڈروجن کے دھماکوں کے نتیجے میں وجود میں آتی ہے۔ ذرا سوچئے ایک QUASARS میں چوبیس گھنٹوں کے دوران سورج کی روشنی سے دس ہزار ارب گنا برابر روشنی کرنے کے لئے کس قدر ہائیڈروجن درکار ہو گی ہم کہہ سکتے ہیں کہ قاعدے کی رو سے ہر QUASARS میں چوبیس گھنٹوں کے دوران سورج سے دس ہزار ارب گنا زیادہ ایندھن جلتا ہے۔ (اسلامک اسٹیڈیز سنٹر اسٹراس برگ فرانس کی نسیر حاصل تحقیق سے ماخوذ)

قرآن اور سائنس

حیات بعد از موت کے موقع پر آسمانوں اور زمین میں مخلوق کی حالت

ڈاکٹر ہلوک نور باقی

ونفخ فی الصور فصعق من فی السموت ومن فی الارض الا من شاء الله ثم نفخ فیه اخری فاذا هم قیام ینظرون ○ (الزمر 39)

ترجمہ:۔ "اور اس روز صور پھونکا جائے گا اور وہ سب مر کر گر جائیں گے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں۔ سوائے ان کے جنہیں اللہ زندہ رکھنا چاہے پھر ایک دوسرا صور پھونکا جائے گا اور یکایک سب کے سب اٹھ کر (ارد گرد) دیکھنے لگیں گے!"

جیسا کہ ہر کوئی جانتا ہے حیات بعد از موت ایک ایسا واقعہ ہے جو پوری انسانیت کا مقدر ہے۔ اس آیت مقدسہ کا ایک دلچسپ پہلو وہ فقرہ ہے جس میں یہ اعلان کیا گیا ہے کہ پہلے صور پھونکنے کے وقت وہ بھی مر جائیں گے جو آسمان میں ہیں۔ تمام مسلمان، بلکہ سب اہل کتاب ایمان رکھتے اور جانتے ہیں کہ وہ تمام جو زمین پر ہیں پہلے صور کے پھونکنے پر مر جائیں گے اور بعد میں دوبارہ زندہ کر دیئے جائیں گے؟ اس آیت کی تشریح کے سلسلے میں میرا پہلا مقصد تو یہ ہے کہ میں اپنی سمجھ اور بصیرت کے مطابق اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کروں۔ اور دوسرے یہ کہ "خلائی مخلوق" کے اس تصور پر روشنی ڈال سکوں جو حالیہ سالوں میں پیدا ہوا ہے جو دراصل ایک شرارت اور بگاڑ کو پیدا کرتا ہے جس کا اصل مقصد اللہ کی مقدس کتابوں کے فرمانوں کو جھٹلانا ہے۔

یوم حساب یعنی حیات بعد الموت کے دن پہلے صور پھونکنے کو "صعق" کہا گیا ہے۔ صعق سے مراد اس شدید آواز والا دھماکہ ہے جو ہر چیز کو مار ڈالے گا اور یہ اس سائنسی حقیقت کو بیان کرتا ہے جس کی نقل کی کوشش جدید فزکس بھی کر رہی ہے۔ یہاں تک تو ثابت کر لیا گیا ہے کہ ایک خاص تعداد ارتعاش یعنی فریکونسی اور شدت کی حامل آواز کی لہریں جانداروں کو ہلاک کر دینے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔

حیات بعد الموت پیمائش جسامت اور (قویٰ) کے پورے نظام کو تبدیل کر دیتی ہے یہی وجہ

ہے کہ یہ صرف خالق مطلق کا عمل ہے کہ ہر معمول کی جگہ کو برابر کر دیتا ہے۔ مگر ہم یہ نہیں جانتے کہ حیات بعد الموت کا یہ پہلو کس وقت معمولات کو بدل دے گا۔ قیامت اس وقت شروع ہو گی جب کہ فرشتہ اسرافیل صور پھونکے گا۔ چونکہ اس مضمون پر تفسیریں خاموش ہیں۔ اس کتاب میں جو کہ سائنسی حقائق سے متعلق ہے، ہم بھی اس مضمون پر بحث نہیں کریں گے۔

دوسرے صور کو "روفہ" کہا جاتا ہے یہ اس بصری تعداد ارتعاش (فریکونسی) کو ظاہر کرتی ہے جس کا اثر دوبارہ روح پھونکنے جیسا ہے۔ سائنسی نکتہ نظر سے اس صور کی نوعیت ابھی تک ناقابل فہم اور پوشیدہ ہے۔ دوبارہ زندہ کر دینے والی آوازوں کی خصوصیات اور نوعیت ابھی تک سائنس کے علم میں نہیں آسکی ہیں۔

یوم آخرت پر تمام جانداروں اور بالخصوص انسانوں کا دوبارہ جی اٹھنا، بلا شک ایک خدائی معجزہ ہے۔ مگر اس کی بھی کوئی وجہ تو ہو گی کہ یہ کام اسرافیل اور اس کے صور کے سپرد ہی کیوں کیا گیا ؟ اس کی مثال اس طرح ہے کہ تحقیقات سے یہ معلوم ہوا ہے کہ ایک خاص قسم کے کچھوے اپنے بچوں کو نشو و نما اپنے انڈوں پر اپنی نظریں گاڑے رکھنے سے کرتے ہیں۔ ان کی آنکھوں سے نکلنے والی شعاعوں میں ان کی نشو و نما اور پکانے کی خاصیت ہوتی ہے۔ ہمارے دوبارہ جی اٹھنے کی کنجی، دوسرے صور کی صوتی لہروں کے ذریعے مردہ جسم میں روح کی سچائی او زندگی کے اسرار کی مدد سے دوبارہ جان ڈال دینے پر مشتمل ہے۔

یہ تو عیاں ہے کہ پہلے اور دوسرے صور پھونکنے کے درمیانی نامعلوم وقت کے وقفے کے دوران اللہ، مردہ جسم کے خلیوں (CELLS) کو حیات کا خاص راز عطا کرے گا اور پہلے ہی سے تیار کردہ جسم کو پہلے سے مقررہ روح کے ذریعے، دوسرے صور پھونکنے پر دوبارہ زندہ کر دیا جائے گا۔ چونکہ مردہ جسم کی جینی کوڈ (یا فارمولا) لوح محفوظ کے کمپیوٹری ٹیپ پر پہلے ہی سے ریکارڈ ہو چکے ہیں اس لئے جسم کے دوبارہ زندگی حاصل کرنے اور گلنے سڑنے کے عمل سے اس کی آزادی، تقریباً" ایک ساتھ واقع ہو سکتی ہے۔ اوپر کہی گئی بات کو ہم صاف طور پر سورۃ یاسین کے آخری صفحہ میں دیکھ سکتے ہیں۔ اللہ تمام کافروں اور ملحدوں کو اپنے اس فرمان سے مطلع کرتا ہے۔

"کیا وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ ان جیسوں کو پیدا کر

سکے بے شک وہ ہے۔(اس لئے کہ) وہ ماہر خلاق ہے اور سب جاننے والا ہے۔"

"وہ تو جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا کام بس یہ ہے کہ اسے حکم دے کہ ہو جا۔ اور وہ ہو جاتی ہے۔ پاک ہے وہ جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا مکمل اقتدار ہے اور اسی کی طرف تم پلٹائے جانے والے ہو۔"

آیئے اب ہم دوبارہ اپنے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔ وہ کون ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو دنیا کے خاتمہ پر مر جائیں گے۔ لیکن روز حساب پھر زندہ کئے جائیں گے۔

جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا ہے اس وقفے میں موت شدید صوتی ارتعاش کے ذریعے اس وقت آئے گی جب کہ ابھی تک فضائے بسیط ختم نہ ہو چکی ہو۔ ان مرنے والی مخلوقات میں فرشتے شامل نہیں ہوں گے۔ اس لئے کہ وہ تو دوسری فضاؤں کی مخلوق ہیں۔ اور اس کے علاوہ یوم حساب کے دن ان کو کئی قسم کے کام کرنے ہوں گے۔ اس آیت کا یہ بیان کہ جو آسمانوں میں ہیں ایک اہم بات ہے اس لئے اگر اس میں صرف آسمان' ہی کہا گیا ہوتا تو اس کو صرف زمین سے قریب ترین آسمان ہی سمجھا جاتا۔

اس فرمان میں جن کے مقام کو پوری طرح ظاہر کیا گیا ہے آسمانوں میں تباہ ہو جانے والی مخلوق میں سے ایک مخلوق یقیناً جن بھی ہوں گے۔ چونکہ قرآن میں جنوں اور انسانوں کو ہی مخاطب کیا گیا ہے' اس لئے آسمانوں میں تو جن مر جائیں گے جن کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور ان کو بھی اپنے اعمال کا حساب دینا ہو گا۔

مگر جہاں تک انسانوں سے متعلق معنی ہیں یہ حصہ صاف طور پر اس معجزاتی اسرار کا حامل ہے جس کو صرف ہمارے وقتوں ہی میں عیاں کیا گیا ہے۔ جب قرآن کا نزل ہوا تھا اس وقت کوئی نہیں جانتا تھا کہ ایک دن انسان آسمانوں بلکہ فضائے بسیط میں پرواز کرے گا چنانچہ اس آیت کریمہ کا یہ ایک اور معجزاتی پہلو ہے۔ اگر یہ فرمان نہ ہوتا تو کافر اور ملحد لوگ گستاخی کرتے ہوئے مسلمانوں کا مذاق اڑانے کی جسارت کرتے اور کہتے کہ "جب قیامت آئے گی ہم سب تو فضا میں ہوں گے۔" یہ آیت یوم آخرت کے نزدیک بلکہ ہمارے زمانے میں فضا کی فتح کی پیش گوئی کرتی ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ پھر ہم قرآن کی ہر آیت بلکہ ہر لفظ کی معجزاتی دانائی کا نظارہ کر سکتے ہیں۔

جن

جن کا تصور تمام آسمانی مذاہب میں نظر آتا ہے بلکہ یہ تو ان مذاہب میں بھی ہے جو یا تو افراتفری کا شکار ہیں اور یا ان کی شکلیں بگاڑ دی گئی ہیں۔ جن وہ مخلوق ہے جس کی تخلیق ایک دکھائی نہ دینے والی توانائی سے ہوئی ہے مگر ان میں عقل و فہم ہے ان کی ارتعاشی رفتار' جو 3000000 کلومیٹرفی سیکنڈ سے زیادہ ہے' اس بات کو ناممکن بنا دیتی ہے کہ وہ کسی بھی پیمانے سے دیکھے یا محسوس کئے جا سکیں۔ اس نظریئے کو کسی قدر سمجھنے کے لئے یہ کافی ہو گا کہ ہم عام مادے کی خصوصیات کو تصور میں رکھیں۔

ہر عام مادہ اور اسی طرح کی اشیاء' بنیادی عنصر ذرات سے بنتی ہیں۔ ان تمام کی رفتار روشنی کی رفتار سے کم ہوتی ہے۔ جب یہ چیزیں فضا میں ایک دوسرے کی نسبت سے جیومیٹری (ہندسیہ) حرکت حاصل کرتی ہیں تو مختلف اشیاء کا وجود بن جاتا ہے۔ مگر ان اشیاء کی قوت مزاحمت حدت کے سامنے کم ہوتی ہے۔ اگرچہ ایک تنہا ذرہ وحدت کو برداشت کر سکتا ہے لیکن فضا میں وہ نظام جو ان ذروں کے تانے بانے سے بنا ہوتا ہے شدید قسم کی حدت میں بکھر کر غائب ہو جاتا ہے۔ ان کی جسمانی خصوصیات ختم ہو جاتی ہیں اور 5000 ڈگری سینٹی گریڈ پر ہی وہ افراتفری ایٹموں میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور سماوی نکتہ نظر سے جن کا وجود نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے کائنات میں ایک سو ارب ستارے ہیں اور ان میں سے ہر دس لاکھ میں سے ایک کے اندر شاید درجہ حرارت ایک لاکھ یا شاید دس لاکھ ڈگری سے کم ہو گا۔

اللہ نے یقیناً" ستاروں پر یا ستاروں کے قریب بہت سی مخلوقات کو پیدا کیا ہے۔ مگر ان کو زندہ رہنے کے لئے کس قسم کی خصوصیات کا حامل ہونا چاہیے ؟ اس سوال کا جو عقلی یا استدلالی جواب ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ کائنات میں رہنی والی ہستیوں کا وجود توانائی کا حامل ہی ہونا چاہئے نہ کہ وہ مادی ہو اور جسے چھوا جا سکے۔ دوسرے لفظوں میں ان کا نظام ' توانائی کی اکائیوں یعنی توانائی کی واضح اکائیوں یا کوانٹا سے بنا ہوا ہونا چاہئے اور یہ نظام ایسی توانائیوں سے بنایا گیا ہو جس پر انتہائی شدید ٹمپریچر (حدت) کا بھی کوئی اثر نہ ہو۔ یہ بالکل جائز بات ہو گی اگر اس سلسلے میں یہ توقع کی جائے کہ ایسے نظاموں میں ایسی مخلوق بھی ہو گی جو حساس اور باشعور ہو گی۔

قرآن کی متعدد آیات کی تشریحات یہ ظاہر کرتی ہیں کہ آسمانوں میں بھی مخلوقات کا وجود ہے۔ ان میں سے زیادہ تر اللہ کی وہ تابعدار مخلوق ہے جو جن کے زمرے میں آتی ہے۔ قرآنی آیات یہ بھی بتاتی ہیں کہ آسمانوں میں اللہ کی مخلوقات اس کی عبادت کرتی ہیں اور اس کے اسم پاک کا ذکر بھی کرتی ہیں۔

چونکہ سائنس اس حقیقت کا اعتراف کرتی ہے کہ کائنات میں ستارے شدید قسم کی حدت کے مراکز ہیں اس لئے ظاہر ہے کہ ان پر رہنے یا بسنے کے لئے نظام ہونے چاہئیں جو توانائی کی اکائیوں یا کوانٹا سے بنے ہوں۔ یعنی جنات۔ آج کل تو لادین ملحد بھی یہ کہتے ہیں کہ کائنات میں کسی قسم کی غیر ارضی مخلوق کا وجود ضرور ہو گا۔ یہاں سب سے اہم بات یہ ہے کہ یہ مخلوقات انسانی جسم کی صورت میں نہیں ہوں گی 'یقیناً' کائنات میں کئی ایک ایسے سیارے بھی ہوں گے جہاں مادی وجود رکھنے والی مخلوق کی زندگی ممکن ہو سکتی ہے۔ مگر اہم بات یہ ہے کہ کائنات میں مجموعی طور پر ایسی مخلوق بہت زیادہ ہو گی، جو توانائی کی اکائیوں پر مشتمل ہو گی۔ کائنات میں فاصلے اس قدر وسیع اور زیادہ ہیں کہ صرف خالص توانائی کے وجود والی مخلوق ہی اس قابل ہو سکتی ہے کہ ایک ستارے یا سیارے سے دوسرے ستارے یا سیارے تک سفر کر سکے۔

ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ کائنات میں ذی شعور زندگی کے وجود پر بحث مباحثہ کریں۔ بہر حال اوپر کی بحث سے تین نکتے سامنے آتے ہیں یہ سب کے سب اہل ایمان کے لئے انتہائی اہم ہیں۔

1۔ جنات کا وجود ہے اور کائنات میں زندگی کے بنیادی وجود کے لحاظ سے 'عام طور پر یہی زندہ مخلوق وہاں رہتی ہے آسمانوں میں بسنے والی مخلوقات کی یہ اکثریت غیر مادی اور توانائی سے تشکیل شدہ ہے۔

2۔ فضا میں انسان یا انسان سے ملتی جلتی کسی مخلوق کا ہونا تقریباً" ناممکن ہے۔ اگر بفرض محال یہ مان بھی لیا جائے کہ کسی اور کہکشاں میں ہماری زندگی کی طرح کی خصوصیات رکھنے والا کوئی اور سیارہ موجود بھی ہے۔ مگر یہ تو غلط بات ہو گی کہ اڑن طشتری جیسی فرضی اور خیالی چیزوں کا وجود گھڑ لیا جائے اس لئے کہ اس میں تو اربوں نوری سالوں کے فاصلے ہیں۔ تب کہیں جا کر وہ ہماری

زمین کے نزدیک پہنچ سکتی ہیں یہ فرضی کہانیاں دراصل لادین ملحد لوگوں کے ذہنوں کی اختراع ہیں جس کا مقصد یہ ہے کہ وہ آسمانی کتابوں میں لوگوں کے ایمان کو تباہ کریں۔ اور اس کی جگہ اس نظریہ ارتقاء کو لے آئیں جس کے جھوٹ کا حقیر بلبلہ ابھی ابھی ہی پھٹا ہے۔

3۔ اس آیت کے ان الفاظ "اور وہ سب مر کر گزر جائیں گے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں" سے جو تصور ابھرتا ہے وہ جن یا ان سے ملتی جلتی کسی مخلوق کے وجود کا ہی ہے۔ چنانچہ دوسری آیت کریمہ، دو معجزاتی صفات کی نشاندہی کرتی ہے۔

(i) یہ کہ آخرت یا حیات بعد الموت کے نزدیک انسان فضائے بسیط کو مسخر کرلے گا۔

(ii) یہ کہ وہ آسمانوں میں وہ ذی حس مخلوق جو توانائی سے بنی ہے، ایک طرح سے جنات ہی ہیں۔

مگر توانائی سے تشکیل شدہ اس مخلوق سے علیدہ، فرشتوں کا وجود بھی ہے۔ یہ ضروری ہے کہ فرشتوں کے متعلق اس طرح سمجھا جائے کہ یہ وہ مخلوق ہیں جو پانچویں یا چھٹی جہت یا پیمائش جسامت (ڈائی منشن) میں وجود رکھتی ہیں۔ اگرچہ ان کا وجود دوسری قسم کی جہت میں ہے لیکن ان کا یہ وجود مادی کائنات کی فضا میں بھی اچانک ظہور پذیر یا منعکس ہو سکتا ہے۔ بہرحال، آج کے دور کی سائنس کے لئے فرشتوں اور جنوں سے متعلق ہر دو موضوع بے موسے یا قبل از وقت ہیں۔ آنے والے سالوں میں امید ہے کہ میں مزید تفصیلات بیان کرسکوں گا۔

نبی آخر الزماں ﷺ کی صداقت وید سے ثابت

ہندو قوم کا نبی

کرشنا مینن کی حیرت

کہا جاتا ہے کہ شری کرشنا مینن اپنے قیام لندن کے زمانے میں ایک دن اپنے حلقہ احباب میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ایک دوست نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

" یہ سامنے بیٹھا ہوا تمہارا دوست یہودی ہے اس کا کہنا ہے کہ اس کے پاس خدا کی ایک کتاب ہے۔ جس کا نام توریت ہے اور یہ علم آسمانی کی کتاب خدا نے حضرت موسیٰ کے ذریعے دی تھی"

"میں یہ بات جانتا ہوں" کرشنا مینن نے جواب دیا۔

اب اس دوست نے ایک دوسرے عیسائی دوست کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ شخص عیسائی ہے اور اس کا کہنا ہے کہ اس کے پاس بھی خدا کی ایک کتاب ہے جس کا نام انجیل ہے اور یہ علم خداوندی کا تحفہ خدا نے حضرت عیسیٰ مسیح کے ذریعہ عطا کیا تھا"

"میں یہ بھی جانتا ہوں" کرشنا مینن نے ہلکے سے تبسم کے ساتھ کہا جیسے ان شہرہ آفاق باتوں کے دہرانے پر انہیں تعجب ہو رہا ہو۔ لیکن بولنے والا مکمل سنجیدگی سے بول رہا تھا۔ اس نے تیسرا عنوان چھیڑتے ہوئے اور ایک مسلمان دوست کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا

" یہ ہمارا مسلمان دوست ہے اور اس کا کہنا ہے کہ اس کے پاس بھی خدا کی ایک کتاب ہے۔ قرآن۔۔ اور خدا نے یہ علم جس انسان کے ذریعے دیا اس کا نام حضرت محمد ﷺ ہے"۔

"ارے بھائی میں یہ بھی جانتا ہوں" کرشنا مینن نے حیرت کے آخری عالم میں جواب دیا۔"

بے شک وہی دوست بولا ہم اور تم یہ سب باتیں خوب جانتے ہیں مگر دوست ہم میں سے کوئی یہ نہیں جانتا کہ وید جس کو تم ٹھیک اسی طرح خدا کا سب سے پہلا۔ سب سے قدیم سب سے عظیم علم ہو اسے ادگرنتھ یعنی اولین صحف کہتے ہو اس کو خدا سے لینے اور مخلوق کو دینے کا سب سے پہلا انسانی ذریعہ کون تھا آخر؟" کہا جاتا ہے کہ پوری محفل کی سمت سے اس بار سوالیہ تبسم اور تعجب کے سامنے پہلی بار خود کرشنا مینن سر سے پاؤں تک سوالیہ نشان بن گئے۔ ایک ایسے فکری سناٹے میں

گم ہو گئے جیسے پہلی بار انہیں یہ ٹھوس سوال محسوس ہوا ہو۔ جیسے پہلی بار انہیں اپنے ویدک علماء کے موجودہ علمی موقف میں ایک حقیقی خلا کا احساس ہوا ہو۔ توریت' انجیل اور قرآن مجید کے خدا سے انسان تک پہنچنے کے ذرائع تو معلوم ہیں لیکن اگر وید خدا کا کلام ہے تو اسے لانے والا نبی کون تھا؟ یہ واقعہ چاہے سچا ہو چاہے افسانہ اس میں شک نہیں رہتا کہ یہ فطری سوال ہر ایک ویدک دھرم کے ماننے والے کے سینے میں ہزاروں سال سے اندر ہی اندر مسلسل کھٹک رہا ہو گا۔

حضرت نوح کی امت کا نبی بھی کھویا ہوا ہے

ہندو قوم رامائن اور مہابھارت کو انسانوں کی لکھی ہوئی کتابیں تسلیم کرتی ہے لیکن ویدوں کے بارے میں ان کے سواد اعظم کا عقیدہ ہے کہ یہ کلام الٰہی ہیں اس کے باوجود وہ یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ یہ کس رسول کے ذریعہ دنیا میں آئے۔ اپنے نبی کو انہوں نے دیو مالاؤں میں گم کر دیا۔ دنیا کی ہر مذہبی قوم کسی نہ کسی شخصیت کو اپنی مذہبی کتب سے منسوب نبی مانتی ہے لیکن ہندو قوم وہ واحد مذہبی قوم ہے جس کا اصل نبی کھویا ہوا ہے۔ اس حقیقت پر نظر رکھیں اور بخاری شریف کی مندرجہ ذیل حدیث پر غور کریں۔

حضرت ابو سعیدؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ قیامت کے دن حضرت نوح کو لایا جائے گا اور ان سے پوچھا جائے گا کہ کیا انہوں نے اپنی امت کو احکام خداوندی پہنچائے تھے؟ وہ عرض کریں گے بے شک اے میرے پروردگار" پھر حضرت نوح کی امت سے پوچھا جائے گا۔ کہ کیا (نوح نے) تم تک ہمارے احکام پہنچائے تھے؟ وہ لوگ انکار کریں گے اور کہیں گے ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا اور پھر حضرت نوح سے پوچھا جائے گا۔

تمہارے گواہ کون ہیں؟ اور وہ کہیں گے میرے گواہ حضرت محمد ﷺ اور ان کی امت کے لوگ ہیں" اور اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تب تمہیں پیش کیا جائے گا اور تم یہ گواہی دو گے کہ (حضرت نوح نے احکام) پہنچائے تھے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھی۔

وکذلک جعلنکم امتہ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا....

اب ذرا غور فرمائیں ایک طرف تو حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح کی امت

اپنے رسول کو پہچاننے سے انکار کر دے گی اور وہ دوسری طرف ہم یہ جانتے ہیں کہ تمام قوموں میں صرف ہندو قوم کا نبی کھویا ہوا ہے۔

پھر سوچیں ایک طرف تو ہم یہ جانتے ہیں کہ ہندو قوم تبدیل ہو کر امت محمدی بنے گی اور موجودہ امت محمدی کے افراد اس تبدیلی کا ذریعہ بنیں گے اور دوسری طرف حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قوم نوح نے اپنی قوم کو احکام خداوندی پہنچائے تھے۔ یعنی گواہی دینے والی امت محمدی کے افراد حضرت نوح کی امت کے رشتے کو پہچانتے ہوں گے۔ کیا یہ واضح دلیل اس بات کی نہیں محسوس ہوتی کہ موجودہ ہندو قوم حضرت نوح کی امت ہے۔

ہندو قوم قوم نوح ہے

ویسے بھی ویدک دھرم دنیا کے تمام مذاہب میں متفقہ طور پر سب سے پرانا مذہب ہے اور حضرت نوح دنیا کے سب سے پہلے صاحب شریعت رسول تھے۔

لیکن ابھی یقین کرنے سے پہلے خود ویدک دھرم سے معلوم کرنا بھی ضروری ہے ابھی ہم چاہے ہندو قوم کے اس دعوے کو تسلیم نہ کریں کہ ویدک کلام الٰہی ہیں لیکن یہ تو دیکھیں کہ یہ کتابیں جن کو ہندو قوم کلام الٰہی قرار دیتی ہے اپنا نبی کونسا بتاتی ہے؟ فرانسیسی مصنف ڈیوبائیس جس نے چالیس سال تک ہندو مذہب اور ہندوستانی تہذیب کا مطالعہ کیا اور ہندو مذہبی رسم و رواج پر آج تک کی سب سے مستند اور ضخیم کتاب لکھی اس نے اپنی کتاب میں جو حقیقتیں بیان کی ہیں وہ شاید قارئین کی دلچسپی کا سبب بنے بغیر نہیں رہ سکیں گی۔

"مختصر یہ کہ ایک مشہور شخصیت جس سے ہندوستان کو بہت عقیدت ہے اور جسے وہ مہانووو(MAHANUVU) کے نام سے جانتے ہیں (سیلاب کی) تباہی سے ایک کشتی کے ذریعہ بچ نکلی جس میں سات مشہور رشی بھی سوار تھے۔۔۔۔۔ مہانووو دو الفاظ کا مرکب ہے مہا کے معنی عظیم اور نووو بلا شک و شبہ (حضرت) نوح ہی ہیں"".... عملاً" یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ ہندوستان اس سیلاب عظیم کے فوراً" بعد آباد ہوا تھا جس نے پوری دنیا کو ویران کر دیا تھا۔

"مارکنڈیہ پران اور بھاگوت میں اس کا بہت واضح بیان ہے کہ اس حادثہ میں تمام نسل انسانی ختم ہو گئی تھی سوائے سات مشہور عبادت گزار رشیوں کے جن کا میں نے بہت سے مقامات پر

ذکر کیا ہے۔ یہ سات رشی ایک کشتی پر بیٹھ کر عالم گیر تباہی سے بچ سکے تھے۔ اس کشتی کو وشو (خدا) خود چلا رہا تھا اور ایک عظیم شخصیت جو بچ جانے والوں میں سے تھی وہ منو کی تھی جس کو میں نے دوسرے مقامات پر ثابت کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے سوا کوئی نہیں تھی...... جہاں تک مجھے علم ہے ان تمام مشرک اقوام میں کسی نے سیلاب کو اتنی تفصیل کے ساتھ بیان نہیں کیا ہے اور اس واقعہ کی تفصیلات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توریت میں بیان کردہ تفصیلات سے کسی قوم کی تحریروں میں اتنی مماثلت نہیں رکھتیں جتنی کہ ان ہندو کتابوں میں ہے جن کا میں نے ذکر کیا ہے۔ یہ قابل ذکر بات ہے کہ یہ شہادت ہمیں اس قوم میں ملی ہے جس کے قدیم ہونے پر سب متفق ہیں۔

حضرت نوح اور سیلاب نوح کے واقعات بہت تفصیل کے ساتھ بھوشیہ پران اور متسیہ پران میں بھی بیان ہوئے ہیں جن کے حوالے ہم آئندہ ابواب میں پیش کریں گے۔ منو کا لفظ بہت سی ہندو مذہبی شخصیات کے لئے استعمال ہوا ہے لیکن پرانوں ویدوں اور دیگر ہندو مذہبی کتب میں سے سب سے زیادہ تفصیل سے جس منو کا تذکرہ ہے وہ حضرت نوح ہی ہیں۔

ویدوں میں حضرت نوح کا ذکر منو کے نام سے 75 مقامات پر آیا ہے۔

ویدوں کا انگریز مفسر وید کے ایک منتر میں آنے والے لفظ منو کی تشریح کرتے ہوئے لکھتا ہے منو (نوح) لاجواب شخصیت اور انسانوں کے نمائندے تھے تمام نسل انسانی کے باپ (سیلاب کے بعد آدم ثانی حیثیت سے) اور پہلی شریعت کے شروع کرنے والے تھے۔

پرانوں اور ویدوں میں حضرت نوح کی تفصیلات کے علاوہ ایک اور بہت اہم ثبوت اس قوم کے حضرت نوح علیہ السلام سے متعلق ہونے کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔

اکثر اقوام کا اپنے انبیا سے تعلق کا ایک مظہر یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ ان کے زمانے سے اپنا سال یا سن شمار کرے ہیں جیسے مسلمان اپنا سن ہجری حضرت محمد ﷺ سے شمار کرتے ہیں اور عیسائی اپنے سال حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے گنتے ہیں اس کے لئے وہ حضرت نوح کے سیلاب سے ہر ساٹھ سال کے وقفہ کو ایک اکائی یا ایک سال مانتے ہیں اور ان سالوں سے اپنے اہم واقعات کو شمار کرتے ہیں ڈیو بائس اپنی مذکورہ بالا کتاب میں لکھتا ہے

ہندوؤں کا موجودہ یگ کلیگ تقریباً اسی زمانہ سے شروع ہوتا ہے جو سیلاب نوح کا زمانہ

ہے۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس کو وہ یادگار سمجھتے ہیں اور ان کے مصنفین اسے جل پریسارن یا پانی کے سیلاب کا نام دیتے ہوئے اس کا فصاحت سے ذکر کرتے ہیں۔ اس موجودہ یگ کی تاریخ یقیناً" جل پرلیاون یا پانی کے سیلاب کا نام دیتے ہوئے اس کا فصاحت سے ذکر کرتے ہیں اس موجود دیگ کی تاریخ یقیناً" جل پرلیاون کے آغاز سے شروع ہوتی ہے.....

اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ہندو اپنی زندگی کے تمام اہم اور مشہور واقعات و معمولات اور اپنی تمام عوامی یادگاروں کی تاریخ یا سن کو ایک سیلاب کے خاتمے سے شمار کرتے ہیں۔۔۔۔۔ سیلاب کے بعد ہر آٹھ سال مان کران سالوں سے اپنے تمام عوامی اور ذاتی واقعات کی مدت شمار کرتے ہیں۔

اس قوم کا حضرت نوح (ان کی زبان میں منو) سے خصوصی تعلق ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ ان کی مذہبی کتب میں منو اسمرتی کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔

ہندو قوم کی مذہبی تاریخ اور مذہبی کتب کے حضرت نوح علیہ السلام سے خصوصی تعلق کی چند مثالیں یہاں پیش کی گئیں۔ قوم نوح سے متعلق بخاری شریف کی جو حدیث اس باب کے شروع میں گذری اس میں ہم نے دیکھا کہ حضرت نوح کی امت ان کو اپنے نبی کی حیثیت سی نہیں پہچانتی ہوگی اور ہم جان چکے ہیں کہ حضرت نوح سے زبردست رشتہ موجود ہونے کے باوجود موجودہ ہندو قوم بحیثیت مجموعی ان کو نہیں جانتی ہے۔ اس حدیث سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ قیامت کے دن امت محمد ﷺ حضرت نوح کے اپنی قوم میں پیغام پہنچانے کی گواہ بنے گی اور ہمیں معلوم ہے کہ دیگر حدیث نے اس قوم کے امت محمدی بننے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ظاہر ہے ان تمام حقیقتوں کے آشکارا ہونے کے بعد اور امت محمدی میں شامل ہونے کے بعد وہی اس بات کی گواہی دیں گے۔

لیکن ان تمام ثبوتوں کے بعد ابھی آخری اور مستند ترین گواہی باقی ہے قرآن عظیم آیئے دیکھیں۔

قرآن کی گواہی

دنیا کی تمام قوموں کو دو طرح کی نسلوں میں تقسیم کیا گیا ہے سامی نسلیں، غیر سامی نسلیں۔ غیر سامی قوموں میں اربن نسل آتی ہے اور سیمیٹک قوموں میں یہودی، عیسائی اور جزیرہ نما عرب

کے بنی اسرائیل

دنیا کی دو نسلوں میں تقسیم ہونے اور ان میں سے ایک نسل کا تعلق حضرت نوح سے ہونے کی قرآن بھی تصدیق کرتا ہے۔

"یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے منجملہ (دیگر) انبیاء کے نسل آدم سے تھے اور بعض ان کی نسل سے تھے جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا اور بعض ابراہیم و یعقوب (علیہ السلام) کی نسل میں سے ہیں اور یہ سب ان لوگوں میں سے تھے جن کو ہم نے ہدایت دی اور ہم نے ان کو مقبول بنایا"۔(مریم:58)

قرآن کریم کی اس آیت سے معلوم ہوا کہ نسل آدم میں سے حضرت نوح کے ساتھیوں کی نسل الگ ہے اور حضرت ابراہیم و یعقوب (علیہ السلام) کی نسل یعنی بنی اسماعیل اور بنی اسرائیل الگ نسلیں ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ بنی اسماعیل سامی نسلیں ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ حضرت نوح کے ساتھیوں کی نسل غیر سامی یا اربن نسل ہونی چاہئے۔ اربن نسل دنیا کے بہت سے ملکوں کے علاوہ ہندوستان کے بیشتر حصے میں آباد ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا نہیں ہونا چاہیے کہ ہم حضرت نوح کے ساتھیوں کی نسل کو حضرت نوح کی امت کیسے کہہ رہے ہیں۔ کسی رسول کی امت کہلانے کے لئے ان کی نسل سے ہونا یا نہ ہونا ضروری نہیں ہے ہم مسلمان ہیں، حضرت محمد ﷺ کی امت ہیں حالانکہ ہم میں سے اکثر ان کی نسل میں سے نہیں۔ ہم ان کی امت ہیں کیونکہ ہم ان کو اپنا رسول تسلیم کرتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت میں سے جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیغمبر خدا ہونے کا اقرار کیا اور پھر حضرت عیسیٰ کی امت کہلائے حضرت نوح کے ساتھ ان کے وہی ساتھی طوفان نوح سے بچا لئے گئے تھے، جو ان پر ایمان لائے تھے اور ان کے امتی تھے ان ساتھیوں کی نسل یا آرین نسل میں سے موجودہ ہندو مذہبی قوم چونکہ حضرت نوح کے بعد آنے والے دوسرے انبیاء کو اپنا نبی تسلیم نہیں کرتی ہے۔ اس لحاظ سے ہم نے اپنی تحریروں میں ان کو حضرت نوح کی امت یا حضرت نوح کی قوم کہا ہے۔ یہ ایک الگ بات ہے کہ حضرت نوح کو بھی ان کی اصل حیثیت کے ساتھ یہ قوم نہیں پہچانتی ہے جس کا اظہار ہم ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے نبی کو دیو مالاؤں میں گم کر دیا ہے۔(جاری ہے)　(اقتباس: اگر اب بھی نہ جاگے تو........)

نومسلم کا تعارف

ڈاکٹر عبداللہ علاؤالدین (جرمنی)

وسیم شہباز

مجھے اسلام قبول کئے 12 سال ہو چکے ہیں۔

میں دس سال کی عمر میں ذہنی طور پر خود مختار ہو گیا تھا اور منطقی طور پر سوچ سکتا تھا۔ مجھے جرمن پروٹسٹنٹ طریقے کے مطابق کلیسا میں داخل کیا گیا میں نے پادری سے تثلیث یعنی تین خداؤں خدا بیٹا اور روح القدس کی تشریح سنی کہ یہ تین بھی ہیں اور ایک معمولی ذہانت رکھنے والا بچہ بھی جانتا اور سمجھتا ہے کہ ایک تین نہیں ہو سکتے اور تین کو ایک نہیں کہا جا سکتا۔

میرے دل نے کہا کہ یہ الہامی کتاب نہیں ہو سکتی کسی آدمی نے یہ عقیدہ اپنے پاس سے بنایا ہے۔ پادری صاحب نے بتایا کہ ابن مریم نے سولی پر چڑھ کر کفارہ یعنی قربانی دی تاکہ ان کے سب پیرو نجات حاصل کریں۔

میں نے جب پادری سے اس بات کو سمجھنے کی کوشش کی تو اس نے سمجھانے کی بجائے غضب ناک ہو کر کہا تو خدا کے وجود کا قائل نہیں۔

میں سمجھ گیا کہ پادری پیٹ کا بندہ ہے اس کو خدا اور دین سے کوئی واسطہ نہیں۔ بالآخر میں نے ازخود بائبل کا مطالعہ شروع کیا انجیل و تورات کے بعد میں نے بدھ مت کی کتابیں پڑھیں اس وقت میں اسلام سے بالکل واقف نہ تھا۔

میری انتہائی خواہش تھی کہ میں کسی طرح تخلیق کائنات کی حقیقت سمجھ سکوں انسان کی زندگی کا مقصد کیا ہے؟ انسانی زندگی کا مقصد حیوانی زندگی سے بہت اعلیٰ و ارفع ہونا چاہیے نیز انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے آخر کس لئے پیدا کیا؟

میں دو برس تک دن رات مطالعہ کرتا رہا چوبیس گھنٹہ میں بمشکل دو گھنٹے سوتا تھا نیند اڑانے کے لئے تیز دوائیں کھائیں اپنی آنکھوں کے پپوٹوں میں دیا سلائی اس طرح پھنسائی کہ آنکھیں بند

نہ ہوں اس طرح میری صحت بھی خراب ہو گئی اور مجھے کچھ حاصل بھی نہ ہوا لیکن جب میں نے اپنی قوت ارادی سے کام لینا چھوڑ دیا تو رحمت ربی نے میری دستگیری اور رہنمائی کی میں ایک جرمن جہاز ران کی رپورٹ پڑھ رہا تھا جسے مشرق وسطی کے اکثر ممالک دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ جرمن جہاز ران نے اپنی معلومات کا سکہ بٹھانے کے لئے سورہ اخلاص کا متن اور ترجمہ بھی لکھ دیا تھا اس کے جرمن ترجمہ پر جب میری نظر پڑی تو میں حقیقت کو اس طرح سامنے پا کر دنگ رہ گیا لکھا تھا۔

"اے پیغمبر کہہ دو کہ اللہ صرف ایک ہے (وہی اللہ جسے بنی نوع انسان ابتداء آفرینش سے ڈھونڈتی چلی آرہی ہے) نہ اللہ کو کسی نے جنا نہ اللہ ہی نے کسی کو جنا اس دنیا میں اس کی کوئی مثل نہیں"

میں نے زندگی میں پہلی بار پڑھا کہ نہ اللہ کو کسی نے پیدا کیا اور نہ ہی کوئی بیٹا پیدا کیا یہ آیت پوری طرح میری سمجھ میں آگئی لیکن مجھے اسلام اور اس کی تعلیمات کا کوئی علم نہ تھا اس لئے میں نے کسی قریبی اسلامی ملک میں جا کر مسلمانوں کے مذہب اور دین کی معلومات حاصل کرنے کا ارادہ کیا شاید مجھے وہ سچا مذہب مل جائے جس کی مجھے پچیس سال سے تلاش ہے

میں ایک غریب آدمی ہوں اس لئے جرمنی سے استنبول تک میں نے سائیکل پر سفر کیا میں استنبول پہنچا اور قرآن شریف کو اس خیال سے پڑھنا شروع کیا کہ کتاب مقدس (بائبل) تورات زبور اور انجیل کی جس طرح غلطیاں تلاش کرتا رہا ہوں اسی طرح اس کتاب کی غلطیاں بھی ڈھونڈوں گا لیکن جوں جوں اس کی تلاوت اور مطالعہ سے مستفیض ہوتا گیا میرے ایمان میں اضافہ ہوتا رہا کہ یہی وہ آخری اور سچی ہدایت ہے جس کی مجھے تلاش تھی اور مجھے یقین ہو گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ میں 1954ء میں استنبول ہی میں مسلمان ہو گیا الحمدللہ مجھے اسلام کی دولت نصیب ہو گئی۔

(بشکریہ ہم مسلمان کیوں ہوئے)

کلامِ اقبالؒ

عبدالرشید ساہی

1

دل سوز سے خالی ہے' نگہ پاک نہیں
پھر اس میں عجب کیا کہ تو بے باک نہیں ہے

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں' اے مسلمان اگر تجھ میں کلمہ حق برملا کہنے کی جرات نہیں ہے تو اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں ہے کیونکہ تیرا دل درد اور احساس سے خالی ہو چکا ہے تیرے دل میں خدا تعالیٰ کی محبت کی بجائے دنیا کی محبت نے ڈیرہ جما رکھا ہے اسی لئے تو دنیاوی نعمتوں اور راحتوں کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا ہے۔ ان حالات میں تو غیراللہ سے کیسے بے خوف ہو سکتا ہے ارشاد ربانی ہے "آج ہم تم کو بھول جاتے ہیں جیسا کہ تم نے ہمیں بھلا دیا تھا" اس سے بڑی بد نصیبی کیا ہو سکتی ہے کہ خود خدا تعالیٰ کسی کو فراموش کر دیں۔ علامہ اقبالؒ کے دینی افکار میں نگاہ کی پاکیزگی کو بہت بلند مقام حاصل ہے واضح ہو کہ "پاکی نگاہ" کو اقبال نے "عفت نگاہ" سے بھی تعبیر کیا ہے فرماتے ہیں۔

علم کا مقصود ہے' پاکی عقل و خرد
فقر کا مقصود ہے عفت قلب و نگاہ

فقر' مومن کی نگاہ کو پاک کر دیتا ہے یعنی مومن کسی ناپاک شے کی طرف نہیں دیکھتا دراصل علامہ اقبالؒ نے مسلمان عورتوں کو درس دیا ہے کہ ایسا لباس پہن کر باہر نہ نکلیں جس سے ان کے اعضائے جسمانی غیروں کے سامنے نمایاں ہو

جائیں کیونکہ ایسا کرنے سے ان کی نگاہ ناپاک ہو جائے گی۔ اسی طرح وہ مرد بھی پاکی نگاہ سے محروم ہو جائے گا جو عورتوں کی اس بے غیرتی اور بے حیائی کو گوارا کرتا ہے یا اچھا سمجھتا ہے۔ ضابطہ اسلام کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ انسان کی نگاہ کو پاک بنا دیتا ہے یعنی مسلمان ہر غیر شرعی قول یا فعل کو ناپاک سمجھتا ہے اور اس سے اسی طرح نفرت کرتا ہے جس طرح دنیا کے لوگ ناپاک اشیاء مثلاً بول و براز سے نفرت کرتے ہیں۔ مسلمان کی اول خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہر اس فعل کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے جس کی نبی مکرم و محترم ﷺ نے نفرت سے دیکھنے کا حکم دیا ہے چونکہ اقبالؒ شریعت اسلامیہ کے علمبردار ہیں اس لئے انہوں نے عفت نگاہ کی اہمیت کو واضح کرنے میں اپنا سارا زور قلم صرف کر دیا ہے۔

2

ہے ذوق تجلی بھی اسی خاک میں پنہاں
غافل ! تو نرا صاحب ادراک نہیں ہے

اے مسلمان ! تجھے اللہ تعالیٰ نے صرف زیور عقل ہی سے آراستہ نہیں کیا بلکہ اس نے تیرے اندر اپنے دیدار کی آرزو بھی ودیعت فرمادی ہے تو ذرا غور سے دیکھ، تجھ میں خدا سے ملنے کی تڑپ بھی تو موجود ہے یعنی تیرے اندر جذبہ عشق بھی پنہاں ہے اور جس طرح کتابوں کا مطالعہ اور علماء کی محبت سے عقل بڑھتی ہے اسی طرح قانون خداوندی کی پاسداری سے اور عاشقوں کی محبت سے عشق کی آگ بھی بھڑک سکتی ہے۔

جلا سکتی ہے شمع کشتہ کو موج نفس ان کی
الٰہی !! کیا چھپا ہوتا ہے اہل دل کے سینوں میں

اللہ والوں کی محبت اختیار کرنے سے مقصد حیات حاصل ہو جاتا ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھوں سے اپنی صورت پر تخلیق فرمایا ہے یہ مٹی کا پتلا بڑی چیز ہے، اس میں خدائی روح پھونکی گئی ہے، اس کو اشرف المخلوقات بنایا گیا ہے۔ یہ خدائی تخلیق کا اعلیٰ ترین شہکار ہے۔ خالق کائنات نے اس کو ملائکہ سے سجدہ کروا کر عظمت اور بزرگی عطا فرمائی ہے۔ زمین میں اپنا نائب بنا کر اس کو بہت وسیع سلطنت عطا فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جو قوم میرے ضابطوں اور احکامات کی پاسداری کرتی ہے اس کو میری طرف سے عزت بھی عطا ہوتی ہے دولت بھی نصیب ہوتی ہے اور زمین کی بادشاہی بھی دی جاتی ہے لیکن جب کوئی فرد یا قوم میرے احکامات کی خلاف ورزی کرتی ہے میرے ضابطوں کی پروا نہیں کرتی میرے نافذ کردہ قانون کو توڑتی ہے تو ذلت اور رسوائی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ پھر ہم اس سے عزت بھی چھین لیتے ہیں دولت بھی واپس لے لیتے ہیں اور حکومت سے بھی محروم کردی جاتی ہے جیسا کہ آج کل مسلمانوں کے ساتھ پیش آرہا ہے۔ جس طرف بھی نگاہ کرو مسلمان دنیا کی ساری آبادی کا سب سے بڑی قوم ہونے کے باوجود وہ غیروں کے ہاتھوں پٹ رہے ہیں ذلیل ہو رہے ہیں ان پر روئے زمین پر عرصہ حیات تنگ کیا جارہا ہے مگر دکھ اس بات کا ہے کہ اس کے باوجود سمجھ نہیں پا رہے۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

اب تو کارواں کے لٹنے پر آنسو بہانے والا بھی کوئی نظر نہیں آتا بلکہ الٹا قوم مغربیت کے رنگ میں اپنے آپ کو رنگنے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت لے

جانے کی دوڑ میں مصروف ہے۔ فحاشی عریانی بے حیائی اور بے راہ روی کی وباء عام ہو چکی ہے ہر ملک میں قوم کی بیٹیوں کی عصمتیں تار تار ہو رہی ہیں' بے گناہوں کے خون سے ہولی کھیلی جا رہی ہے مگر قوم غفلت کا شکار ہے۔

3

وہ آنکھ کہ ہے سرمہ افرنگ سے روشن
پر کار و سخن ساز ہے !! نمناک نہیں ہے

مغربی تعلیم سے انسان کے اندر عیاری' مکاری' چالاکی اور فریب کاری تو پیدا ہو جاتی ہے لیکن دل میں سوز و گداز کا رنگ پیدا نہیں ہو سکتا یہ بات صرف اور صرف قرآن و حدیث کے مطالعہ اور نیک بندوں کی صحبت سے پیدا ہو سکتی ہے لیکن افسوس تو اس بات کا ہے کہ آج ہم اپنے بچوں کو قرآن و حدیث کی تعلیم دلوانے کی بجائے انگریزی معیار کے سکولوں میں تعلیم دلوا رہے ہیں یہی وجہ ہے جس کی بنا پر اخلاقی معیار دن بدن کم ہوتا جا رہا ہے اور آوارگی بڑھتی جا رہی ہے۔

شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کو انگریز سرکار نے جب تین سال کے لئے مالٹا میں قید کی سزا دی تو انہوں نے قید تنہائی میں مسلمانوں کی کامیابی و کامرانی کی منزل کے حصولؒ کے لئے دو باتوں کو بہت ضروری قرار دیا وہ فرماتے ہیں "اگر مسلمان قوم فرقہ بندی کی لعنت سے بچ جائے اور تمام مسلمان بچے بچیاں ترجمہ کے ساتھ قرآن پاک کی تعلیم حاصل کر لیں تو کوئی وجہ نہیں کہ مسلمانوں کا کھویا ہوا وقار اور عظمت حاصل نہ ہو" ہمیں اپنے ماضی میں جھانک کر یہ ضرور دیکھنا چاہیے کہ وہ کونسا اصول تھا جو ہم سے کھو گیا اور جس کو گنوا دینے کے بعد آج تک ہم بربادیوں کے گردابوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمین پر آسماں نے ہم کو دے مارا

اسلامی تاریخ کا مطالعہ کریں تو قدم قدم پر مسلمان مجاہدوں کی بہادری اور جانثاری کے واقعات رقم ہیں لیکن اس کے برعکس آج ہر طرف مسلمانوں کی تباہی اور پسپائی ہو رہی ہے آخر کیوں؟

اس لئے کہ ہم نے دین اسلام کے سنہری اصولوں کو فراموش کر دیا ہے توحید سے منہ موڑ لیا ہے اور اتباع رسول ہاشمی ﷺ کو چھوڑ دیا ہے۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

آداب بندگی

غسل کے احکام

حافظ محمد یاسین

غسل کی قسمیں

غسل تین مقاصد سے کیا جاتا ہے۔

(1) حدث اکبر سے پاک ہونے کے لئے یہ غسل فرض ہے۔

(2) اجر و ثواب کی نیت سے یہ غسل سنت یا مستحب ہے۔

(3) بدن کو میل کچیل سے صاف کرنے اور گرمیوں کے موسم میں ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے یہ غسل مباح ہے۔

غسل فرض ہونے کی صورتیں

بالغ مردوں اور عورتوں کے مخصوص حالات اور میاں بیوی کے جنسی تعلقات کے بعد غسل فرض ہو جاتا ہے۔

ان مسائل کی تفصیل یہاں درج نہیں کی جا رہی۔

وہ صورتیں جن میں غسل سنت ہے

(1) جمعہ کے دن جمعہ کی نماز کے لئے غسل کرنا سنت ہے۔

(2) عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن عیدین کی نماز کے لئے غسل کرنا سنت ہے۔

(3) حج یا عمرے کے احرام کے لئے غسل کرنا سنت ہے۔

(4) حج کرنے والے کو عرفے کے دن زوال کے بعد غسل کرنا سنت ہے۔

وہ صورتیں جن میں غسل مستحب ہے

(1) اسلام سے مشرف ہونے کے لئے غسل کرنا مستحب ہے۔

(2) مردے کو نہلانے کے بعد نہلانے والے کو غسل کرنا مستحب ہے۔

(3) جنون اور مستی اور بے ہوشی رفع ہو جانے کے بعد غسل کرنا مستحب ہے۔

(4) شعبان کی پندرہویں شب میں غسل کرنا مستحب ہے۔

(5) مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں داخل ہوتے وقت غسل کرنا مستحب ہے۔

(6) سورج گرہن اور چاند گرہن کی نماز کے لئے غسل کرنا مستحب ہے اور استسقا کے لئے بھی غسل کرنا مستحب ہے۔

(7) مزدلفہ میں ٹھہرنے کے لئے دسویں تاریخ کی صبح کو نماز فجر کے بعد غسل کرنا مستحب ہے۔

(8) کنکری پھینکنے کے وقت غسل کرنا مستحب ہے۔

(9) کسی گناہ سے توبہ کرنے کے لئے غسل کرنا مستحب ہے۔

(10) کسی محفل اور تقریب میں شرکت کرنے اور نیا لباس زیب تن کرنے کے لئے غسل کرنا مستحب ہے۔

(11) سفر سے واپس وطن پہنچ جانے پر غسل کرنا مستحب ہے۔

وہ صورتیں جن میں غسل مباح ہے

اوپر بیان کی ہوئی صورتوں کے علاوہ جن صورتوں میں آدمی نہانے کی

ضرورت محسوس کرے ان میں غسل کرنا مباح ہے مثلاً"۔

(1) گھر' دکان وغیرہ میں جھاڑ پونچھ کرنے کے بعد جسم کو صاف کرنے کے لئے نہانے کی ضرورت محسوس ہو۔

(2) گرد و غبار میں اٹ جانے اور مٹی گارے وغیرہ کا کام کرنے کے بعد نہانے کی ضرورت محسوس ہو۔

(3) بدن پر میل کچیل ہو گیا ہو' یا پسینہ کی بو آرہی ہو اور نہانے کی ضرورت محسوس ہو۔

(4) گرمی کے اثرات زائل کرنے اور جسم کو ٹھنڈک پہنچانے کے لئے نہانے کی ضرورت ہو۔

(5) تکان اور سستی دور کرنے اور فرحت و تازگی حاصل کرنے کے لئے نہانے کی ضرورت محسوس ہو۔

ان تمام صورتوں میں غسل کرنا مباح ہے۔

غسل کے متفرق مسائل

(1) اگر کوئی حدث اکبر کی حالت میں ندی یا نہر میں غوطہ لگا لے یا بارش میں کھڑا ہو جائے اور پورے بدن پر پانی بہہ جائے اور وہ کلی بھی کرے اور ناک میں پانی بھی ڈال دے تو اس کا غسل ادا ہو جائے گا اور حدث اکبر سے پاک ہو جائے گا۔

(2) اگر کسی نے غسل سے پہلے وضو نہ کیا' تو غسل کے بعد اب اس کے لئے الگ سے وضو کرنے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ غسل میں وہ سارے اعضاء دھل ہی گئے جن کو وضو میں دھونا فرض تھا

لہٰذا غسل کے اندر وضو بھی ہو گیا۔

(3) غسل کرتے وقت کلی نہیں کی لیکن خوب منہ بھر کر پانی اس طرح پی لیا کہ سارے منہ میں پانی پہنچ گیا تو غسل درست ہو گیا۔

اس لئے کہ کلی کا مقصد بھی یہی تھا کہ سارے منہ میں پانی پہنچ جائے اور وہ مقصد حاصل ہو گیا۔

(4) اگر سر میں خوب تیل ڈال لیا ہے یا بدن پر خوب مل لیا ہے اور پانی بدن پر پڑتے ہی ڈھلک جاتا ہے ذرا نہیں ٹھہرتا تو کوئی حرج نہیں غسل درست ہو گیا۔

(5) اگر ناخن میں آٹا لگا تھا اور سوکھ گیا۔ یا کوئی اور زینت کی چیز لگائی اور اس کو چھڑائے بغیر نیچے کی سطح تک پانی نہیں پہنچ سکتا تو اس کا چھڑانا ضروری ہے' چھڑائے بغیر غسل درست نہیں۔

(6) اگر کسی مرض کی وجہ سے سر پر پانی ڈالنے میں شدید نقصان کا اندیشہ ہو تو باقی بدن دھو لینے سے غسل درست ہو جائے گا۔

پھر جب پھر جب نقصان کا اندیشہ نہ رہے تو سر دھو لینا چاہئے۔

ماخوذ از آسان فقہ

بانی سلسلہ کی تصانیف

"حقیقت وحدت الوجود" یہ کتاب وحدت الوجود کے موضوع پر ایک مختصر مگر نہایت مدلل اور اہم دستاویز ہے خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے دوران سلوک جو دیکھا اس حقیقت کو عام فہم دلائل کی روشنی میں نہایت ہی آسان زبان میں بیان کر دیا ہے تاکہ متلاشیان حق غلط راہوں میں پڑ کر گمراہ نہ ہو جائیں اس میں جو موضوعات زیر باعث آئے ہیں ان میں سے خاص خاص یہ ہیں

- ☆ انسان کی بقا اور ترقی کے لئے مذہب کیوں ناگزیر ہے
- ☆ روحانی عوالم اور روح کے سفر کا حال عالم ھو کی خصوصی تشریح
- ☆ سلوک کے دوران کون سے مقام پر وحدت الوجود کی کیفیت محسوس و مدرک ہوتی ہے
- ☆ وہ بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا۔
- ☆ اس اہم سوال کا جواب ہندو مفکرین، مادہ پرست دانشوروں اور فلاسفروں نے کیا دیا ہے
- ☆ حضرت ابن عربیؒ کے نظریہ وحدت الوجود اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے وحدت شہود میں فرق
- ☆ روحانی سلوک کے دوران تمام بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں
- ☆ حضرت حسین ابن منصور حلاجؒ کے دعوی انا الحق کی توجیہہ
- ☆ وحدت الوجود کی قائل جماعت کے نظریات اور قرآنی احکامات کیا ہیں

ان تمام امور پر محققانہ بحث و تنقید کے بعد حقیقت طشت از بام کر دی گئی ہے۔ اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والوں اور الجھنوں میں گرفتار طالبان حقیقت کے لئے یہ کتاب ایک نعمت سے کم نہیں۔